لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی


جماعتہائے احمدیہ امریکہ

# النور

ایڈیٹر:- ظفر احمد سرور

مئی - جولائی ۱۹۹۲ء


## ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

"ایک جگہ دل کو بھی عرش کہا گیا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ کی تجلّی بھی دل پر ہوتی ہے اور ایسا ہی عرش اس وراء الوراء مقام کو کہتے ہیں جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک تو تشبیہہ ہوتی ہے اور ایک تنزیہہ ہوتی ہے مثلاً یہ بات کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جہاں پانچ ہوں وہاں چھٹا ان کا خدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہہ ہے جس سے دھوکا لگتا ہے کہ کیا خدا پھر محدود ہے۔ اس لئے اس دھوکا کے دُور کرنے کے لئے بطور جواب کے کہا گیا ہے کہ وہ تو عرش پر ہے جہاں مخلوقات کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ کوئی اس قسم کا تخت نہیں ہے جو سونے چاندی وغیرہ کا بنا ہوا ہو اور اس پر جواہرات وغیرہ جڑے ہوئے ہوں بلکہ وہ تو ایک اعلیٰ ارفع اور وراء الوراء مقام ہے اور اس قسم کے استعارات قرآن مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا اللہ تعالےٰ نے (جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا)۔"

(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۳۶-۳۷)


The Ahmadiyya Gazette and Annoor are published by The Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.
2141 Leroy Place, N.W., Washington DC 20008. Ph: (202) 232—3737
Printed at the Fazl-i-Umar Press and distributed from Athens, OH 45701

Ahmadiyya Movement in Islam, Inc
P. O. Box 226
CHAUNCEY, OH 45719

NON PROFIT ORG
U. S. POSTAGE
PAID
CHAUNCEY, OHIO
PERMIT # 1

# حضرت سیّدہ آصفہ بیگم صاحبہ کے متعلق

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت (الرابع) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نہایت پیارے انداز میں اپنے "پیارے برادرم مکرم نسیم سیفی" کو حضرت بیگم صاحبہ (اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرماتا رہے) سے متعلق درج ذیل نوٹ اور ایک نظم الفضل میں اشاعت کے لئے عطا فرمائے ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

آصفہ بیگم کے وصال سے تقریباً دو ہفتے پہلے تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو ذہن میں الفاظ کے بغیر ہی بعض اشعار کا مضمون مترنم تھا۔ بحر معین تھی اور قافیہ و ردیف "دم اعجاز" "قدم اعجاز" وغیرہ کی تال پر تھے۔ صبح مَیں نے اس مضمون کو دو شعروں کو سانچے میں ڈھالا اور ہسپتال جا کر آصفہ بیگم کو یہ شعر سنائے تو انہیں بہت روحانی تسکین ملی اور نمناک آنکھوں میں جذبات تشکر جھلملانے لگے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ یہ نظم مکمل ہو جائے گی تو آئندہ جلسہ پر خواتین کے اجلاس میں موتا بیٹی سے کہوں گا کہ ہماری موجودگی میں پڑھ کر سنائے۔ بعد ازاں ان کی زندگی میں یہ نظم مکمل کرنے کا وقت میسر آیا نہ دماغ۔ ہر روز مرض میں نئے پیچیدگیاں پیدا ہونے لگیں۔ ہر شب کی دعائیں اس پیچیدگی کے قدم روک لیتیں۔ لیکن ایک فکر سے نجات ملتی تو ایک دوسری دامنگیر ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ یہ تقدیر واضح نقش کے طور پر اُبھر آئی کہ روزمرہ قبولیت دعا اور شفاء کی یہ جھلکیاں محض دلداری اور نرم سلوک کا مظہر ہیں ورنہ تقدیر مبرم کو کوئی دعا ٹال نہیں سکتی۔

جب یہ رمز کنایہ مجھ پر روشن ہو گیا تو ایک رات مَیں نے بارگاہِ الٰہی میں اسی مضمون کا رونا رو دیا لیکن کامل طور پر حدود بندگی اور حد ادب کے اندر رہتے ہوئے مَیں نے عرض کیا کہ مجھے شبہ سا پڑ رہا ہے گو قطعی طور پر صرف تو جانتا ہے کہ تو کیا مقدر فرما چکا ہے۔ مجھے تو یہ بھی اعتماد نہیں کہ جو مانگوں وہ کہیں خیر کے پردے میں شر نہ نکلے۔ پس حضرت موسیٰؑ کے الفاظ میں میری التجا یہی ہے کہ (اے میرے رب! اپنی بھلائی میں سے جو کچھ تو مجھ پر نازل کرے مَیں اس کا محتاج ہوں۔)

دوسرے روز جب مَیں نے بی بی کو اختصار کے ساتھ یہ روئداد سنائی تو رونے کی آواز تو نہ آئی مگر آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کی وفات تک مَیں یہی سمجھتا رہا کہ اپنی بیماری کی حالت پر رو رہی تھیں مگر وفات کے بعد مجھے فائزہ بیٹی اور امۃ القدوس نے بتایا کہ وہ اپنی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے رو رہی تھیں کہ مَیں ان کی تکلیف کو اتنا محسوس کر رہا ہوں اور سخت کرب میں مبتلا ہوں۔

نظم کے جو پہلے دو شعر اُن کی زندگی میں ہوئے تھے وہ صرف دو لفظی تبدیلیوں کے ساتھ اس طرح پوری نظم میں شامل ہیں۔ پہلے مصرعہ میں "بقا" کی بجائے "شفاء" کا لفظ تھا اور "تھا" کی بجائے "ہے" کا۔ گویا مصرعہ یوں تھا۔ "تری شفاء کا سفر ہے قدم قدم اعجاز"

والسلام خاکسار مرزا طاہر احمد

تری بقا کا سفر تھا قدم قدم اعجاز
بدن سے سانس کا ہر رشتہ دم بدم اعجاز

ترا فنا کے اُفق سے پلٹ پلٹ آنا
دعا کے دوش پہ نبضوں کا زیر و بم اعجاز

تھا اک کرشمۂ پیہم ترا دلِ بیمار
دکھایا ہوگا کسی دل نے ایسا کم اعجاز

نحیف جان، بہت بوجھ اٹھا کے چلتی رہی
ہر ایک نقشِ قدم پر تھا مرتسم اعجاز

اسی کا فیض تھا ورنہ مری دعا کیا تھی
کہے سے اس کے دکھاتا تھا میرا غم اعجاز

جب اس کا اذن نہ آیا، خطا گئی فریاد
رہی نہ آہ کرشمہ، نہ چشمِ نم اعجاز

غنا نے اس کی جو عرفانِ بندگی بخشا
نہیں تھا وہ کسی جود و عطا سے کم اعجاز

بچشمِ نم تمہیں سمجھایا، بس خدا کے لئے
دکھاؤ نا، سرِ تسلیم کر کے خم اعجاز

یونہی شماتتِ اعدا سے مت ڈرو بی بی!
ہمارے حق میں دکھائیں گے یہ ستم اعجاز

ہو موت اس کی رضا پر یہی کرامت ہے
خوشی سے اس کے کہے میں جو کھائیں سم اعجاز

وہیں تمہاری اَنا کا سفر تمام ہوا
حیات و موت وہیں بن گئے بہم اعجاز

نحیف ہونٹوں سے اٹھی ندائے استغفار
نوائے توبہ تھی اللہ کی قسم اعجاز

مجھے کبھی بھی تم اتنی نہیں لگیں پیاری
وہ حسن تھا ملکوتی، وہ ضبطِ غم اعجاز

اسی کی ہو گئیں تم اس کے امر ہی سے تمہیں
امر بنانے کا دکھلا گئی عدم اعجاز

کبھی تو آ کے ملیں گے۔ چلو خدا کے سپرد
کبھی تو دیکھیں گے احیائے نَو کا ہم اعجاز

## ارشادات عالیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

# وہ دن آتے ہیں بلکہ نزدیک ہیں کہ دشمن روسیہ ہوگا اور دوست نہایت ہی بشاش ہونگے

# وہی میرے ہیں جنہوں نے مجھے اکیلا پایا اور میری مدد کی اور ناشناسا ہو کر آشناؤں کا سا ادب بجا لائے

# میرے ساتھ وہی ہے جو میری مرضی کیلئے اپنی مرضی کو چھوڑتا ہے اور اپنے نفس کے ترک اور اخذ کیلئے مجھے حَکَم بناتا ہے

# کھلے نشانوں کے طالب وہ عزت کے لائق مرتبے میرے خداوند کی جناب میں نہیں پا سکتے جو راستبازوں کو ملیں گے

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے اس سلسلہ کو بے ثبوت نہیں چھوڑے گا۔ وہ خود فرماتا ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے کہ "**دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔**" جن لوگوں نے انکار کیا اور جو انکار کے لئے مستعد ہیں اُن کے لئے ذلّت اور خواری مقدر ہے۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر یہ انسان کا افترا ہوتا تو کب کا ضائع ہو جاتا کیونکہ خدا تعالیٰ مفتری کا ایسا دشمن ہے کہ دنیا میں ایسا کسی کا دشمن نہیں۔ وہ بیوقوف یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ کیا یہ استقامت اور جرأت کسی کذّاب میں ہو سکتی ہے؟ وہ نادان یہ بھی نہیں جانتے کہ جو شخص ایک غیبی پناہ سے بول رہا ہے وہی اس بات سے مخصوص ہے کہ اس کے کلام میں شوکت اور ہیبت ہو۔ اور یہ اُسی کا جگر اور دل ہوتا ہے کہ ایک فرد تمام جہان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ یقیناً منتظر رہو کہ وہ دن آتے ہیں بلکہ نزدیک ہیں کہ دشمن روسیہ ہوگا اور دوست نہایت ہی بشاش ہوں گے۔ کون ہے دوست؟ وہی جس نے نشان دیکھنے سے پہلے مجھے قبول کیا اور جس نے اپنی جان اور مال اور عزت کو ایسا فدا کر دیا ہے کہ گویا اس نے ہزارہا نشان دیکھ لئے ہیں۔ سو یہی میری جماعت ہے اور یہی میرے ہیں جنہوں نے مجھے اکیلا پایا اور میری مدد کی۔ اور مجھے غمگین دیکھا اور میرے غمخوار ہوئے اور ناشناسا ہو کر پھر آشناؤں کا سا ادب بجا لائے خدا تعالیٰ کی اُن پر رحمت ہو۔ اگر نشانوں کے دیکھنے کے بعد کوئی کھلی صداقت کو مان لے گا تو مجھے کیا اور اس کا اجر کیا اور حضرت عزت میں اس کی عزت کیا۔ مجھے درحقیقت انہوں نے ہی قبول کیا ہے جنہوں نے دقیق نظر سے مجھ کو دیکھا اور فراست سے میری باتوں کو وزن کیا اور میرے حالات کو جانچا اور میرے کلام کو سُنا اور اس میں غور کی تب اسی قدر قرائن سے خدا تعالیٰ نے اُن کے سینوں کو کھول دیا اور میرے ساتھ ہو گئے۔ میرے ساتھ وہی ہے جو میری مرضی کے لئے اپنی مرضی کو چھوڑتا ہے اور اپنے نفس کے ترک اور اخذ کے لئے مجھے حَکَم بناتا ہے اور میری راہ پر چلتا ہے اور اطاعت میں فانی ہے اور انانیت کی جلد سے باہر آگیا ہے۔ مجھے آہ کھینچکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کھلے نشانوں کے طالب وہ تحسین کے لائق خطاب اور عزت کے لائق مرتبے میرے خداوند کی جناب میں نہیں پا سکتے جو ان راستبازوں کو ملیں گے جنہوں نے چھپے ہوئے بھید کو پہچان لیا۔ اور جو اللہ جلّشانہٗ کے تحت میں ایک چھپا ہوا بندہ تھا اس کی خوشبو ان کو آگئی۔ انسان کا اس میں کیا کمال ہے کہ مثلاً ایک شہزادہ کو اپنی فوج اور جاہ و جلال میں دیکھ کر پھر اس کو سلام کرے باکمال وہ آدمی ہے جو گداؤں کے پیرایہ میں اس کو پاوے اور شناخت کر لیوے۔ مگر میرے اختیار میں نہیں کہ یہ زیرکی کسی کو دوں۔ ایک ہی ہے جو دیتا ہے وہ جس کو عزیز رکھتا ہے ایمانی فراست اس کو عطا کرتا ہے۔ انہی باتوں سے ہدایت پانے والے ہدایت پاتے ہیں اور یہی باتیں اُن کے لئے جن کے دلوں میں کجی ہے زیادہ ترکجی کا موجب ہو جاتی ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۹-۳۵۰)

# آ بیٹھ مرے پاس، مرا دستِ تہی تھام

آج سے تقریباً چالیس برس پہلے بعض (وفات یافتگان) کی یاد میں کچھ شعر کہے تھے مگر نظم مکمل نہ ہو سکی اور رفتہ رفتہ تقریباً بھول ہی چکی تھی کہ اب آصفہ بیگم کی وفات نے اس مٹتی ہوئی یاد کو اُجاگر کر دیا اور سب نہیں تو اکثر شعر یاد آگئے۔ اب ان میں کچھ اضافہ کے ساتھ نظم مکمل کر لی ہے جو بھجوا رہا ہوں۔

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

۱۹-۴ ۱۳۷۱/۱۹۹۲ء

ہے حسن میں ضَو غم کے شراروں کے سہارے ○ اِک چاند مُعلّق ہے ستاروں کے سہارے

اِک شعلہ سا لرزاں ہے سرِ گورِ تمنّا ○ اِک غم جئے جاتا ہے مزاروں کے سہارے

تُو رُوٹھ کے امیدوں کا دل توڑ گیا ہے ○ اے میری اُمنگوں کے سہاروں کے سہارے

ناداری میں ناداروں کے رکھوالے تھے کچھ لوگ ○ بخشش کے بھکاری۔ گنہگاروں کے سہارے

سُکھ بانٹتے پھرتے تھے مگر کتنے دُکھی تھے ○ بے چارگیٔ غم میں بچاروں کے سہارے

مَرتے ہیں جب اللہ کے بندوں کے نگہباں ○ کون ہوتے ہیں خود اُن کے دُلاروں کے سہارے؟

وہ ناؤ خُدا بنتا ہے خود جس کا کھوَیّا ○ پاگل ہے کہ ڈھونڈے وہ کناروں کے سہارے

کانٹوں نے بہت یاد کیا اُن کو خزاں میں ○ جو گُل کبھی زندہ تھے بہاروں کے سہارے

کیا ان کا بھروسہ ہے جو دیتے تھے بھروسے ○ لو۔ مَر گئے جیتے تھے جو پیاروں کے سہارے

دیکھو! مرے سب پیاروں کو تھا تم سے بہت پیار ○ میرے ہی نہیں، تم تھے ہزاروں کے سہارے

آ بیٹھ مرے پاس۔ مرا دستِ تہی تھام

مَت چھوڑ کے جا۔ درد کے ماروں کے سہارے

# ”تیرے کام کے ساتھ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا“

## حضرت سیدہ آصفہ بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدھا کی وفات حسرت آیات پر آپ کی علالت کا تفصیلی ذکر اور اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت امام جماعتِ احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بتاریخ ۳ اپریل ۱۹۹۲ء
بمقام بیت الفضل لندن

تشہد، تعوذ، سورۃ فاتحہ اور کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ .. سورۃ رحمٰن آیت ۲۷ تا ۲۹ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا :-

سورہ رحمان کی جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں ایک ایسا عظیم الشان دائمی اعلان کیا گیا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں اور توحید کا گہرا راز اس میں بیان فرمایا گیا ہے اور خدا کے واحد اور احد ہونے کے باوجود مخلوقات سے اس کے تعلقات کا راز اس میں کھولا گیا ہے کل من علیہا فان ہر وہ چیز جو سطح ارض پر موجود ہے وہ مٹ جائے گی۔ باقی نہیں رہے گی۔ فان۔ ہلاک ہونے والی ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ تیرے رب کا چہرہ جو جلال اور اکرام والا چہرہ ہے صرف وہی باقی رہے گا۔ لیکن اس آیت کے ترجمہ میں ترجمہ کرنے والوں کو وقت پیش آتی ہے اور اس لئے مختلف ترجمے پیش کئے جاتے ہیں۔ خدا کا چہرہ سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگ اس سے ذات باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں اور ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ خدا کی ذات باقی رہے گی اور ہر دوسری چیز مٹ جائے گی۔ بعض یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نگاہیں جس پر پڑیں اور جس کو خدا کا وجہ نصیب ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے۔ وہی باقی رہے گا جسے اللہ کی رضا حاصل ہو اور خدا کی رضا باقی رکھے۔ حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے) نے یہی عارفانہ ترجمہ تفسیر صغیر میں فرمایا ہے۔ کہ مراد یہ ہے کہ ہر چیز فانی اور بے معنی اور بے حقیقت ہے اور ان کی بقاء کے بھی کوئی معنی نہیں جو بظاہر نظر بھی آئیں وہی چیز باقی ہے۔ جو رب کی رضا کے ساتھ باقی ہے اور رب کی رضا کے ساتھ زندہ ہے۔

اس کے علاوہ اس میں ایک اور راز یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ اگر کوئی چیزیں باقی رہتی ہیں تو فی ذاتہ باقی نہیں رہ سکتیں۔ الاّ نے یہ استثناء کر کے متوجہ فرمادیا کہ ہم خدا کے سوا بھی تو بے انتہاء وجود دیکھتے ہیں اور مرنے کے بعد کی زندگی کا ہم سے وعدہ بھی کیا گیا ہے تو کل من علیہا فان سے کیا صرف یہ مراد ہے کہ اس دنیا سے مٹ کر ہر چیز ایک نئی زندگی میں داخل ہوگی لیکن یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ جس کی وابستگی ہوگی اسے نئی زندگی ملے گی اور

اسے بقا نصیب ہوگی سوائے اس کے جسے خدا کا وجہ نصیب نہ ہو۔ وجہ سے مراد توجہ بھی ہے۔ رحمت، شفقت، پیار اور محبت کا تعلق یہ ساری باتیں پیار کی توجہ میں داخل ہوتی ہیں۔ پس **وجہ ربک** کا مطلب یہ ہو گا کہ سوائے ان کے جن کو خدا کے پیار کی توجہ نصیب ہو وہ فنا ہونے والے وجود نہیں وہ ہمیشہ باقی رکھے جائیں گے۔ پس ان معنوں میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اول اس آیت سے مراد ہیں اور سب سے اول یہ آیت آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ذات ہی پر اطلاق پاتی ہے۔

آج جمعہ کا مبارک دن ہے۔ ۲۹ رمضان ہے یہ جمعۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس جمعہ کے آغاز ہی میں یعنی جب جمعرات کا سورج ڈھل گیا اور اسلامی نقطہ نگاہ سے جمعہ کی رات شروع ہو گئی اور جب انگریزی نقطہ نگاہ سے بھی رات کے بارہ بجے اور ایک دو منٹ اوپر ہوئے تو اس وقت ... کو اپنے رب کا بلاوہ آگیا۔ اس سے پہلے میں ان کا ذکر نہیں کیا کرتا تھا۔ اس کی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ مجھے ڈر تھا کہ اگر جذبات پر قابو نہ رہا تو جماعت جو پہلے ہی نڈھال ہے بالکل نزع کی حالت کو پہنچ جائے گی۔ جماعت سے جو میرا تعلق ہے وہ ایسا ہے کہ میں جماعت کے دل میں رہتا ہوں۔ اور جماعت میرے دل میں رہتی ہے۔ یہ ایسا تعلق ہے جو خطوں کا محتاج نہیں۔ پیغاموں کا محتاج نہیں۔ کسی کو بتانا نہیں پڑتا کہ اسے مجھ سے کتنی محبت ہے۔ مجھے کسی کو بتانا نہیں پڑتا کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔ یہ ایسے جاری وساری زندہ رشتے ہیں جو **وجہ ربک** کے طفیل ہمیں نصیب ہوئے ہیں اور **وجہ ربک** کی یہ علامات ہیں کہ ملی محبتیں اتنی شدت پکڑ جائیں کہ دوسری دنیاوی محبتیں ان کے مقابل پر کوئی حیثیت نہ رکھیں تو ایک تو یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں میرے جذبات کے غلبہ کے نتیجہ میں وہ احمدی جو پہلے ہی بہت شدت کے ساتھ میرا دکھ محسوس کر رہے ہیں ان کی حالت غیر نہ ہو جائے۔

دوسرے یہ بات پیش نظر تھی کہ ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ اطلاعیں مل رہی ہیں اور سب کو علم ہے کہ کیا صورت حال ہے۔ تیسری ایک وجہ یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ بعض رؤیا ایسی ملتی رہیں جن سے یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید خدا تعالیٰ کی تقدیر شفاء کی صورت میں ظاہر ہو لیکن بعض اور ایسی علامتیں ساتھ ساتھ جاری رہیں کہ جن کے نتیجہ میں میں یقین کے ساتھ جماعت کے سامنے کوئی نظریہ پیش نہیں کر سکتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے واضح طور پر وصال کی خبر ملتی تو تب بھی میں کسی رنگ میں جماعت کو تیار کرتا۔ اگر واضح طور پر شفاء کی خبر ملتی تو تب بھی میں تیار کرتا اور بتا دیتا کہ خدا تعالیٰ نے یہ خوشخبری عطا فرمائی ہے جس طرح اس سے پہلے بتایا گیا اور بڑی شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں وہ نظارہ پورا فرمایا تو اس وقت کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ مثلاً میں آپ کے سامنے اب اس عرصہ کے کچھ واقعات کھول کر بیان کروں گا۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ کس کوگو اور کشمکش کی حالت میں سے ہم گزرے ہیں۔ لیکن سب سے پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ آپ کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں ۲۱ جنوری کو ہوئی اور اس لحاظ سے مجھ سے تقریباً ۸ برس

چھوٹی تھیں۔ اور ہماری شادی ۱۹۵۷ء میں جلسہ سالانہ کے بالکل قریب ہوئی۔ تاریخ تو مجھے یاد نہیں لیکن ۱۷ کا خیال آتا ہے کہ غالباً ۱۷ دسمبر کو ہوئی اور ایک لمبا عرصہ ہمارا اس طرح اکٹھے گزرا کہ باوجود بعض اختلافات کے انہوں نے بڑے صبر کے ساتھ مجھ سے گزارا کیا۔ ذہنی اور معاشرتی اختلافات جو روزمرہ کے رہن سہن کے معیار ہیں ان کے نتیجہ میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے والدین نے ہمیں بچپن میں بہت ہی سادہ حالت میں رکھا اور نہایت غریبانہ حالت میں زندگی بسر ہوئی۔ باوجود اس کے کہ وہ ساری ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں جو امیروں کے بچوں کو ان معنوں میں نصیب ہوتی ہیں کہ پہاڑوں پر جانا اور شکار وغیرہ دوسرے شوق پورے کرنا تاکہ کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے بالارادہ ہمیں Tough بنانے کی کوشش کی اور سادہ زندگی کی جو تعلیم دوسروں کو دیتے تھے اپنے گھر میں بھی یہی تعلیم عملاً جاری تھی۔ ان کے ہاں معیار زندگی ہمارے ہاں کے معیار سے بہت اونچا تھا۔ جب ہمارے گھر آئیں تو ایک واقف زندگی کے ساتھ بیاہی گئیں۔ جس کا روزمرہ کا گزارا بھی بہت ہی معمولی تھا تو بہت تکلیف میں وقت کاٹا۔ لیکن بڑے ہی صبر کے ساتھ۔ کبھی مطالبے نہیں کئے۔ ساری زندگی میں مجھ پر یہ بوجھ نہیں ڈالا کہ وہ لاؤ جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ مزاج کے اختلاف کی وجہ سے اور دینی پس منظر کے اختلاف کی وجہ سے رفتہ رفتہ بہت ہی توجہ اور پیار کے ساتھ اور سمجھا بجھا کر ان کی تربیت کرنی پڑی۔ شروع میں ان کو جماعت کی خواتین اور جماعت کی تنظیموں سے کوئی ذاتی تعلق نہیں تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس تعلق کو قائم کیا لیکن اس سے پہلے میں آپ کو شادی کے استخارہ سے متعلق ایک بات بتا دوں۔

قادیان میں ۴۶-۱۹۴۵ء کی بات ہے کہ جب میں نے ان کے ساتھ شادی کا پیغام دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کی عادت تھی کہ بیٹوں سے بھی پوچھا کرتے تھے اور بیٹیوں سے بھی پوچھا کرتے تھے۔ اپنی مرضی نہیں ٹھونستے تھے۔ لیکن اگر کوئی غلط فیصلہ ہو تو اسے سمجھا دیا کرتے تھے کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ اس طرح ایک بہت ہی اعلیٰ پاکیزہ الہام و تفہیم کے ماحول میں سب کے رشتے طے ہوئے تو میں نے جب انؓ سے شادی کا فیصلہ کرنا تھا تو اس سے پہلے استخارہ کیا اور رؤیا کی حالت میں یعنی جاگتے ہوئے نہیں بلکہ رؤیا کی حالت میں الہام ہوا اور اس کے الفاظ یہ تھے کہ "تیرے کام کے ساتھ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا" اس وقت مجھے بڑا تعجب ہوا کہ میرے کون سے کام ہیں؟ وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ آئندہ خدا تعالیٰ مجھ سے کیا کام لے گا لیکن اس میں یہ عجیب پیغام تھا کہ عملاً کاموں میں ان کو شرکت کی اتنی توفیق نہیں ملے گی۔ لیکن میرے تعلق کی وجہ سے خدا ان کو میرے کاموں میں شریک فرما دے گا۔ اور ان کو بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ اس ثواب میں یہ ہمیشہ بڑے صبر اور رضا کے ساتھ حصہ لیتی رہیں اور ان کیلئے مجھ سے جس حد تک تعاون ممکن تھا ہمیشہ کیا لیکن خاص طور پر قادیان کے اس سفر کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہے۔

جانے سے دو تین ہفتے پہلے اچانک انکی حالت بگڑی ہے اور دراصل وہی وقت تھا جب پتے کا کینسر شروع ہو چکا تھا اور ہمیں تفصیل کا علم نہیں تھا۔ ڈاکٹروں کا بھی اس طرف ذہن نہیں گیا۔ پتھری سمجھتے رہے اور بعض ڈاکٹروں نے مشورہ دیا

کہ پہلے یہاں آپریشن کروا لیا جائے پھر قادیان کا سفر اختیار کیا جائے ورنہ خطرناک ہے۔ میرے لئے یہ اس لئے مشکل تھی
تھا کہ اگر میں ان کو چھوڑتا تو ان کے مزاج کا مجھے علم تھا۔ یہ میری موجودگی کے بغیر دوسرے خیال کرنے والے ہاتھوں میں تسلی نہیں پا سکتی تھیں۔ پھر بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ایلوپیتھی دوائیاں کام نہیں کرتیں تو مجھے ہومیوپیتھی دینی پڑتی تھیں۔ اور خاص طور پر درد کے دوروں میں وہ بہت زیادہ مددگار ثابت ہوئیں تو میں نے ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ میں ٹھہر سکتا ہوں لیکن پھر قادیان کا پروگرام کینسل کرنا پڑے گا اور ساری دنیا سے احمدی آرہے ہیں خصوصاً" پاکستانی بڑی محبت اور شوق سے آرہے ہیں اور ہندوستان کے کونے کونے سے احمدی آرہے ہیں لیکن آپ کا فیصلہ ہے آپ بتائیں کہ آپ ٹھہریں گی یا جانا چاہیں گی۔ انہوں نے کہا : میں جاؤں گی۔ چنانچہ یہ جو قربانی تھی اس نے قادیان کا تاریخی جلسہ ممکن بنا دیا۔ پس ان معنوں میں ہمارے ان سب کاموں میں شریک ہو گئیں جو نیکی کے کام ہمیں قادیان میں کرنے کی توفیق ملی۔ اور یہ احسان مجھ پر بہت بھاری ہے۔

قادیان کے دنوں میں جب بیماری شدت اختیار کرتی تھی اور درد سے تڑپتی تھیں تو مجھے کہا کرتی تھیں کہ کوئی دوائی دو۔ اور میں بعض دوائیاں دیتا تھا۔ ایلوپیتھی دوائیاں بھی ساتھ جاری تھیں مگر ان سے پورا آرام نہیں آتا تھا کیونکہ وہ کینسر کے نقطہ نگاہ سے نہیں دی جا رہی تھیں تو اللہ کے فضل سے بعض دفعہ تو چند منٹ کے اندر اندر سکون سے سو جایا کرتی تھیں۔

لیکن یہ بات دل میں جاگزیں ہو گئی تھی کہ میری بیماری بہت گہری ہے اور ڈاکٹروں کو پتہ نہیں لگ رہا۔ مجھے کہتی تھیں۔ کینسر تو نہیں ہے تو میں نے پھر جب ایک دفعہ دعا کی تو ایک عجیب رؤیا دیکھی جس کی وجہ سے مجھے تسلی ہوئی لیکن بعد کے حالات سے پتہ چلا کہ اللہ کی خاص شان تھی۔ ایک خاص رنگ میں اس نے تسلی کا اظہار فرمایا لیکن اس کے باوجود تقدیر بدلنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ تقدیر اپنی جگہ قائم رہی۔ رؤیا میں میں نے دیکھا کہ ان کی والدہ آپا امۃ السلام ایک گھر میں کھڑی ہیں اور گھر کا نقشہ اس طرح ہے جس طرح یہ ( - ) لمبائی میں ہے اور یہاں تقریباً ۲/۳ چوتھائی جگہ کے سامنے وہ یوں اس طرف منہ کرکے جدھر سے میں آرہا ہوں کھڑی ہیں اور بائیں ہاتھ ایک نالی سے پار ایک کچن یعنی باورچی خانہ ہے جس میں کوئی کھڑا ہے اور کھانے پکے ہوئے ہیں اور آپا میرا انتظار کرتی ہیں۔ پھر مجھے دیکھ کو خوشی سے کہتی ہیں کہ وہ آگیا ہے اور گھر کی حالت وہ یہ مجھے بتاتی ہے کہ ساری نالیاں بند ہیں اور کھانا ساتھ تیار ہے لیکن اس طرف نہیں آسکتا اور کوئی نہیں کھا رہا اور کچن میں بالکل ٹھیک اسی طرح کھانا موجود ہے۔ ساتھ یہ کہا کہ ایک دفعہ پہلے بھی اس طرح نالیاں بند ہوئی تھیں۔ جب یہ آیا تو اس نے کوئی چیز چلائی اور آسمان کی طرف اڑ کر پھر کوئی چیز گری اور نالیاں کھل گئیں۔ اب پھر ایسا ہی ہوگا کہ نالیاں کھل جائیں گی تو اس پر صبح اٹھ کر مجھے یہ تعبیر سمجھ آئی کہ پہلے جب دل کی بیماری کا حملہ ہوا ہے تو اس وقت بھی معدہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا تھا اور الٹ دیتا تھا اور ہمیں وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ ڈاکٹروں نے ہر قسم کی

دوائیں دیں لیکن کارگر ثابت نہیں ہوتی تھیں۔ جب ہسپتال میں داخل کرائی گئیں تو پتہ لگا کہ دل کی نالیاں بند ہیں اور نالیاں بند ہونے کی وجہ سے یہ ساری تکلیف تھی۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے وہ نالیاں کھولیں اور بعد میں انجیو پلاسٹی (Angio Plasty) بھی ہوئی لیکن اس وقت تو وقتی طور پر سنبھال لیا لیکن جب امریکہ لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ نالیاں کھولنی پڑیں گی اور اس وقت تو مجھے یہ ذہن میں نہیں تھا لیکن جب یہ خواب آئی تو مجھے پہلی دفعہ سے مراد یہی نظر آئی کہ پہلے بھی نالیاں بند تھیں قادیان میں بھی اور دلی میں بھی کوئی چیز بھی معدہ میں نہیں ٹھہرتی تھی اور الٹی آتی تھی اور بہت تکلیف کی حالت تھی۔ جو بھی کھاتی تھیں وہ الٹ جاتا تھا اس لئے بڑی تیزی سے کمزور ہو رہی تھیں اور اس وقت خواب کے باوجود یہ اندازہ نہیں تھا کہ نالیاں بند ہونے سے کیا مراد ہے لیکن جب یہاں آکر ڈاکٹر نے اپریشن کیا اور پتہ کی پتھری تشخیص کرتے ہوئے پتھری نکالنے کے لئے اپریشن کیا تو اس نے بغیر اپریشن کے پیٹ بند کر دیا اور مجھے یہ اطلاع بھیجی کہ ان کے معدے کی انتڑیوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی نالیاں بند ہیں اور اس وجہ سے کھانا الٹتا ہے' اندر جا ہی نہیں رہا۔ میں نے اس کے متبادل کے طور پر انتڑی کو کاٹ کر معدہ سے براہ راست منہ جوڑ دیا ہے اور نالی کھل گئی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد خدا کے فضل سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب کیمو تھراپی کا وقت آیا تو ڈاکٹروں نے دیکھا کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بہت ہی زیادہ لمبی بیماری اور تکلیفوں سے متاثر ہو چکی ہیں۔ جگر کا بڑا حصہ کینسر نے کھایا گیا تھا۔ گردے جواب دے رہے تھے اور خطرہ تھا کہ اگر گردے کی نالیاں بند ہو گئیں تو کسی قسم کی کیمو تھراپی (Chemotherapy) نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں جب انہوں نے بتایا تو میں نے اپنی دوائی بھی شروع کی اور خاص طور پر دعا پر بہت زور دیا تو جب نتیجہ نکلا تو ڈاکٹر Evans کے الفاظ یہ تھے کہ Ducts are open نالیاں کھلی ہیں اور بڑے تعجب کا اظہار کیا کہ یہ نالیاں کس طرح کھل گئیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ بند ہو چکی ہوں گی۔ جب میں نے یہ رؤیا گھر میں بچوں کو بتائی تو انہوں نے کہا : اس کا کیا مطلب ہے کہ شفاء ہو جائے گی؟ میں نے کہا : اللہ بہتر جانتا ہے۔ مجھے نالیاں کھلنے تک کا پیغام ہے اور یہ بات تو ہو چکی ہے تو عزیزہ فائزہ نے اپنے طور پر یہی تعبیر کی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فکر کی بات ابھی ہے۔ کیونکہ اتنا حصہ تو پورا ہو گیا ہے۔ اللہ نے بعد میں کوئی خبر دی ہے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو اس کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی۔ اس وقت عزیزہ فائزہ نے ایک رؤیا بیان کی جو بالکل واضح تھی اور اس وقت سے پھر باوجود اس کے کہ دعا میں کوئی کمی نہیں کی اور خدا کے فضل سے توکل قائم رہا ہے لیکن پیغام نظر آ گیا تھا کہ کیا ہے۔ انہوں نے رؤیا میں دیکھا کہ عزیزہ نعیمہ کھوکھر جو یہاں لجنہ کی بڑی اچھی کارکن اور بی بی سے خصوصیت سے بہت تعلق رکھنے والی ہیں اور ہمیشہ ہر رنگ میں بہت خدمت کرتی رہی ہیں وہ آئی ہیں اور بی بی فائزہ کو کہتی ہیں کہ آپ نے جلسہ میں نظم پڑھنی ہے اور اس کے لئے میں آپ کو تیاری کرواؤں گی تو فائزہ کہتی ہیں کہ مجھے درعدن دو میں اس میں سے نظم پڑھوں گی۔ وہ کہتی ہیں نہیں' درعدن سے نہیں پڑھنی۔ حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) کی ایک نظم ہے وہ چھپی ہوئی ہے۔ ایک عورت آپ کو پڑھ کر سنائے گی اور وہی

پڑھتی ہے دوسری کوئی نہیں پڑھتی حالانکہ ان کی عادت نظم کی بالکل نہیں۔ فائزہ حیران ہوتی ہے لیکن جب وہ عورت نظم پڑھتی ہے تو وہ ہے ۔

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضاء کے سامنے

کہتی ہیں اتنی سریلی اور اتنی پراثر آواز ہے کہ وہ دل میں ڈوب گئی اور سارے وجود پر ایک عجیب قسم کی سکینت طاری ہو گئی باوجود اس کے کہ بظاہر ڈراؤنی خواب تھی یعنی پیغام موت کا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے سکینت طاری فرمادی تو جب انہوں نے مجھے رؤیا سنائی تو ساری بات بالکل واضح نظر آرہی تھی۔

بہت سے احمدی دوست ایسی رؤیا بھیجتے رہے ہیں جن میں بظاہر خوش خبری تھی لیکن جن کو رؤیا کی پہچان ہو انکو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ رؤیا میں جو پیغامات ملا کرتے ہیں وہ تصویری زبان میں ملتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انداز ہے جو عام نظاروں سے خدا کی بھیجی ہوئی رؤیا کو مختلف کر دیتا ہے۔ چنانچہ اکثر یہ جو رؤیا آتی ہیں کہ ہم نے دیکھا : بی بی بہت بیمار ہیں۔ بہت خطرناک حالت ہے اور پھر ایک دم اچھی ہو جاتی ہیں' یہ اگر کوئی پیغام رکھتی ہیں تو خطرناک پیغام ہے کیونکہ اکثر میرا تجربہ ہے کہ جب کسی بہت خطرناک مریض کے متعلق یہ دیکھا جائے کہ ایک دم اچھا ہو گیا تو اس سے مراد صحت نہیں بلکہ وصال ہوا کرتا ہے تو ایسی رؤیا کثرت سے آتی رہیں اور بعض رؤیا ایسی تھیں جن کی رؤیا دیکھنے والوں نے اور تعبیر کی لیکن تعبیر بالکل مختلف تھی۔ مثلاً ایک بچی نے مجھے رؤیا بھیجی یا کسی نے اپنی بیٹی کی رؤیا بھیجی کہ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ جلسہ کا اجتماع ہے۔ وہاں ایک غیر احمدی عورت اٹھ کر یہ اعلان کرتی ہے کہ اشتہار میں اعلان آیا ہے کہ مرزا طاہر احمد کی بیوی فوت ہو رہی ہیں۔ میں اپنی امی سے کہتی ہوں کہ اس نے اس کے نیچے لکھا ہوا یہ نہیں بتایا کہ : الیس اللہ بکاف عبدہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔ اس رؤیا کی بھی عزیزہ فائزہ نے تعبیر سمجھ لی اور یہ سن کر مجھ سے اشارۃً بات کی کہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ (اللہ کی سلامتی ہمیشہ آپ پر نازل ہو) کے والد کے وصال کی جب خبر تھی تو آپ کے متعلق الیس اللہ بکاف عبدہ تھا۔ جانے والے کے متعلق نہیں تھا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ ان کو پیغام مل گیا ہے تو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رؤیا یونہی بیکار ہے یا ہم نے تو یہ تعبیر کی تھی اور وہ نکلی لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ رؤیا کا علم ایک بڑا گہرا علم ہے اور بہت ہی سائنٹیفک علم ہے اس میں گہرے ادبی روابط پائے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے کلام کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) فرماتے ہیں ۔

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیوں کر بنانا نور حق کا اس پہ آساں ہے

اور حقیقت یہ ہے کہ الٰہی پیغامات ایک خاص رنگ رکھتے ہیں اور ان کی اپنی ایک پہچان ہے مگر علاوہ ازیں بعض دفعہ پیغام الٰہی ہوتا ہے لیکن تعبیر سمجھ نہیں آرہی ہوتی اس میں حکمتیں بھی ہوتی ہیں۔ مجھے اپنی اس رؤیا کی جسم میں نالیاں کھلنے تک کی بشارت ہے آگے نہیں تھی' حکمت یہ سمجھ آئی کہ بی بی مجھ سے روزانہ پوچھتی تھیں کہ آپ نے کوئی رؤیا دیکھی اور ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ میں آپ کی دعا سے اچھی ہوں گی۔ اس پر میں بالکل بے بس تھا۔ جب خدا کی طرف سے کوئی واضح بشارت ہی نہیں تھی تو میں کیا کہتا۔ اس سے ان کا دل اس بات سے ڈوبتا تھا کہ مجھے کوئی بشارت نہیں ہوئی۔ چنانچہ پھر اس کا علاج مجھے یہ سوجھا کہ یہی رؤیا بار بار بتایا کرتا تھا کہ آپ نے دیکھا نہیں قادیان میں خدا نے مجھے یہ بتایا تھا کہ نالیاں کھل گئیں۔ اب دیکھیں نالیاں ہی کھل رہی ہیں۔ دونوں ڈاکٹروں نے یہی بات کی پہلے ڈاکٹر نے بھی دل کی نالیاں کھلنے کی بات کی اور دوسرے ڈاکٹر نے بھی انتڑیوں وغیرہ کی نالیاں کھلنے کی بات کی گردوں کی نالیاں کھلنے کی بات کی اور معدہ ایک قسم کا باورچی خانہ ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہاں بہترین کھانا ہوتا تھا لیکن نالیاں بند ہونے کی وجہ سے دوسری طرف پہنچ نہیں سکتا تھا تو میں نے کہا کہ جب یہ ساری باتیں پوری ہو گئی ہیں تو پھر پریشانی کی کیا وجہ ہے۔ اس رنگ میں میں ان کو ٹالتا رہا لیکن تقریباً ۱۰' ۱۲' ۱۵ دن کی بات ہے میں نے قرآن کریم کھولنے سے پہلے اس خواہش کا شدید اظہار کیا کہ اے خدا! مجھے کچھ تو بتا اور جس آیت پر میری نظر پڑے وہی میرا پیغام ہو تو جس آیت پر نظر پڑی وہ یہ تھی ادخلوها بسلام امنين اس جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اس سے پہلے ہے ان المتقين في جنت و عيون کہ متقی جنات اور چشموں میں ہوں گے۔ ادخلوها بسلام امنين اس میں تم سلام اور امن کے ساتھ داخل ہو تو وہ پیغام بالکل واضح تھا۔ اس سے پھر میرے دل میں ایک بات گڑ گئی اور یہ اس کی بناء پر نہیں بلکہ ویسے ہی مجھے یقین تھا کہ آپ جمعہ کے دن فوت ہوں گی۔ چنانچہ پچھلے جمعہ بہت سخت Crisis آیا ہے۔ چند دن پہلے بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں اور جمعہ کو بڑی تیزی سے حالت بگڑی اور اب پھر جمعرات کو تیزی سے حالت بگڑنی شروع ہوئی ہے تو جب تک جمعہ نہیں آیا اس وقت تک آپ کی حالت سنبھل چکی تھی اور بڑے سکون کے ساتھ بات کرتی تھیں لیکن اس سکون کی بھی ایک وجہ تھی۔ وہ صرف بیماری سے تعلق رکھنے والی بات نہیں تھی بلکہ ایمانیات سے تعلق رکھنے والی بات تھی۔

کچھ عرصہ پہلے Hospital کے ڈاکٹروں نے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ آپ نے جو ہمیں کہا تھا کہ Growth کہا کریں تو آپ کے کہنے کی وجہ سے ہم اب تک کینسر کا نام نہیں لے رہے۔ (میں نے کہا تھا کہ Growth کہا کریں Growth بھی تو کینسر کی ایک قسم ہے اور جھوٹ بھی کوئی نہیں ہے لیکن لفظ کینسر نہ بولیں۔ اس سے ان کا دل بیٹھے گا اور پہلے ہی نصف دل کام کر رہا ہے بیماری بھی اتنی شدید ہے۔ تعاون انہوں نے بڑا اچھا کیا۔ عام طور پر اس قسم کی باتوں میں تعاون نہیں کیا کرتے لیکن بہت ہی تعاون کیا) لیکن آخر مس بار پر جو ڈاکٹر ہیں انہوں نے مجھے کہا کہ اب مزید مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ اب میں کل لازماً بتاؤں گی۔ اس پر میں نے کہا کہ وہ جو بتائیں تو پھر میں بتاؤں گا اور ان کو میں نے

کہا کہ آئندہ اگر آپ سے پوچھیں تو آپ بیشک بتائیں لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ آپ سے کبھی نہیں پوچھیں گی۔
چنانچہ میں نے ان کو آرام سے آہستہ سے سمجھایا۔ میں نے کہا آپ جو غیروں سے پوچھتی ہیں کہ آپ کو کینسر ہے کہ نہیں'
آپ یہ بتائیں کہ کینسر کوئی ایسی بیماری ہے جسے خدا ٹھیک نہیں کر سکتا اور اگر وہ مارنا چاہے تو وہ کینسر ہی کا محتاج ہے۔
نزلے والے بھی مرجاتے ہیں شہد کی مکھی کاٹے تو اس سے مرجاتے ہیں۔ چھینک آنے سے مرجاتے ہیں۔ مرنے والے بغیر
بہانے کے بھی مرجاتے ہیں تو اللہ کے بلانے کے ہزار' لاکھ' کروڑ رستے ہیں اور کینسر کوئی نعوذ باللہ خدا تو نہیں ہے۔
اگر آپ کو پورا ایمان ہے اور آپ یقین رکھتی ہیں کہ خدا ہے اور خدا تعالیٰ میں قدرت ہے تو پھر دعا کریں لیکن کینسر کے
اوپر اتنا زیادہ زور نہ دیں کہ گویا یہ بلا ایسی ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں۔ پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھیں آپ کو لاحق
بے چینی کی ایک وجہ ہے۔ آپ دعا کرتی ہیں تو دعا کے ساتھ دعا کے قبول نہ ہونے کا تصور ہی نہیں ہے آپ سمجھتی ہیں کہ
دعا ضرور اسی رنگ میں قبول ہو جس طرح آپ کر رہی ہیں یا جس طرح لوگ آپ کے لئے کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ
دعا کے انداز نہیں ہیں۔ میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ دعا اس طرح کرنی چاہیے کہ پہلے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کریں۔
اپنے آپ کو خدا کے سپرد کردیں اور یہ کہہ دیں کہ ہم ہر طرح راضی ہیں۔ تیری رضا کے مطابق ہمارا دل سو فیصدی راضی
رہے گا۔ مطمئن ہے۔ کوئی شکوہ نہیں۔ اب ہماری التجا ہے کہ ایسا کردے لیکن وعدہ ہے کہ ایسا نہیں کرے گا تو پھر بھی ہم
تیرے ہی ہیں کوئی اور رستہ نہیں ہے۔ پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھیں میں بھی تو جاؤں گا۔ ہم میں سے ہر ایک نے جانا
ہے۔ یہ تو ایسی چیز ہے جو اٹل ہے۔ بچوں کے نام لئے' گھر جو مہمان ٹھہرے ہوئے تھے ان کے بارہ میں کہا کہ ان میں سے ہر
ایک پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ آخری جان کنی کی حالت میں بستر پر ہوگا۔ میں بھی ہونگا۔ میرے بچے بھی ہوں گے ان
کی اولادیں بھی ہوں گی۔ پہلے کوئی اس چیز سے بچ گئے تھے جو آپ کو یہ خیال ہے کہ شاید یہ بات ٹل جائے۔ ایک دفعہ یہ
کہا کہ مولوی ہنسیں گے۔ میں نے کہا کہ جن کی قسمت میں بدبختی ہو ان کا میں کیا علاج کر سکتا ہوں۔ تقدیر الٰہی پر اگر کوئی
ہنستا ہے تو اس کی بدبختی ہے لیکن میں یہ دعا نہیں کروں گا کہ مولوی ہنستے ہیں اس لئے خدا یوں کرے۔ میں نے جو آپ کو
دعا کا طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے اور مجھے تو یہی پسند ہے۔ یہ سنتے سنتے رقت پیدا ہو گئی۔ آہستہ (کے اشارہ) سے کہا کہ بس
کریں۔ بس۔ بس۔ بہت ہو گئی۔ اور یہ کہا : میں خدا سے معافی مانگتی ہوں۔ میں خدا سے معافی مانگتی ہوں۔ میں خدا
سے معافی مانگتی ہوں۔ مجھ سے گناہ ہوا۔ غلطی ہو گئی۔ اے خدا! مجھے معاف کردے۔ آئندہ کبھی میں ایسی حرکت نہیں
کروں گی۔ کبھی کسی کو ایسے نہیں پوچھوں گی اور اس عہد پر آخری دم تک قائم رہیں۔ یہاں تک کہ مس بازپرنے کل
حیرت سے کسی کو کہا کہ عجیب بات ہے کہ جب تک انہوں نے (میرا کہا کہ انہوں نے) ان سے کوئی بات نہیں کی (اور مجھے
نہیں پتہ۔ کیا بات کی ہے) سخت بے چین تھیں اور بار بار مجھ سے پوچھتی تھیں کہ بتائیں کیا بیماری ہے۔ میں ٹھیک ہو
جاؤں گی کہ نہیں۔ لیکن اس کے بعد ایسا اطمینان ہے کہ بے چینی کا کوئی اظہار نہیں اور بیقراری کا بالکل اظہار نہیں' نہ

مجھ سے پوچھا نہ بات کی' مجھے ضرورت ہی نہیں پڑی تو اللہ کے فضل سے وہ بات کو سمجھ کر آخری دم تک وفا کے ساتھ اس عہد پر قائم رہیں اور غیراللہ کی طرف نہیں دیکھا۔ آخر پر یہ حالت تھی کہ بجائے اس کے کہ ہم ان کو تسلی دیتے وہ ہمیں تسلی دیتی تھیں۔ مجھے کہا کہ آپ بس کریں۔ اتنا نہ غم فکر کریں۔ اتنا غم نہ لگائیں۔ میں نے جواب دیا۔ کہ بی بی میں مجبور ہوں۔ مجھے تو دور کے غم بھی تکلیف دیتے ہیں۔ کوئی کسی کونے میں بیمار ہو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔

پاکستان میں احمدیوں کی تکلیف نے میری جان نکالے رکھی ہے۔ کبھی اتنا عذاب میں مبتلا نہیں ہوا جتنا پاکستان سے خبریں آنے پر اور احمدیوں کی تکلیف پر عذاب میں مبتلا ہوتا رہا ہوں۔ تم تو میرے قریب ہو۔ تمہارا دکھ تو میری آنکھوں کے سامنے ہے پاس ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں محسوس نہ کروں۔ ہاں اللہ صبر کی توفیق دیتا ہے۔ میرا حال مجھ تک ہی ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ غیروں پر نہ کھلے لیکن یہ کہو کہ تکلیف نہ ہو۔ میں نے کہا یہ میرے بس کی بات نہیں ہے تو پھر اشارے سے کہا ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں لیکن بعض دفعہ مجھے یہی کہا کرتیں کہ اب گھبرانا نہیں۔ باوجود اس کے کہ کینسر کی اس بیماری میں شدید تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہو کر لوگ مرتے ہیں لیکن کل یہ اللہ کا عجیب احسان تھا کہ آخری وقت میں بڑی ہی پرسکون تھیں۔ میں نے کہا : میں بچیوں کو بلاتا ہوں' بلایا بھی لیکن کہتی تھیں کہ نہیں بلانا' ان کو گھبراہٹ ہوگی۔ میں نے کہا کہ یہ بات میں نہیں مانوں گا۔ ان کا حق ہے۔ میں مجبور ہوں' ان کو ضرور بلانا ہے۔ نظر آرہا تھا کہ اب جا رہی ہیں۔ تو بچیاں آئیں۔ ان سب کو یہی کہا کہ گھبرانا نہیں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آپ نہ گھبرائیں۔ پھر مجھے کہا کہ جائیں۔ آپ روزہ پر جائیں۔ نماز پر جانا ہے۔ میں نے کہا۔ میں آجاتا ہوں۔ لیکن کہا کہ نہیں آپ نے واپس نہیں آنا۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ وہ تو میں نے آنا ہی آنا ہے۔ چنانچہ رات بارہ بجے کے قریب جو آخری اطلاع ملی ہے وہ مبشر کی طرف سے یہی تھی (ڈاکٹر مبشر نے بڑی خدمت کی ہے) کہ اطلاع آئی ہے کہ حالت سخت تشویش ناک ہے۔ چنانچہ اسی وقت میں بچوں کو لے کر گیا تو رستہ میں عزیزم ڈاکٹر مبشر احمد کا ٹیلیفون کے ذریعہ یہ پیغام ملا کہ میں نیچے لفٹ کے سامنے انتظار کر رہا ہوں۔ میرے ساتھ جو دو بیٹیاں بیٹھی ہوئی تھیں میں نے انہیں کہا کہ اب تمہیں بات کی سمجھ آگئی ہے اگر حالت تشویش ناک ہوتی تو مبشر بی بی کے بستر کا پہلو چھوڑ کر نہ آتا۔ نیچے جو آگیا ہے۔ اس لئے تم اب تیار ہو جاؤ اور مجھ سے وعدہ کرو کہ صبر کا نمونہ دکھاؤ گی اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گی جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ میں نے کہا۔ ہم نے دنیا کو صبر سکھانے ہیں۔ ہم اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح بے چین ہو جائیں اور واویلا شروع کریں تو ٹھیک نہیں ہے اور عجیب بات ہے کہ ان کی والدہ نے بھی کسی کو مخاطب کر کے کہا کہ اب تم واویلا نہ کرنا اور صبر سے کام لینا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے بچیوں نے عظیم الشان نمونہ دکھایا ہے اور پوری وفا کے ساتھ اپنے عہدوں پر قائم رہیں اور قائم ہیں اور اللہ آئندہ بھی انشاء اللہ ان کو قائم رکھے گا۔

یہ ان کی بیماری کے مختصر حالات تھے۔ ایک خاص بات جو میرے دل کو بہت ہی بھائی وہ یہ تھی کہ ایک دفعہ میں نے کہا

کہ بی بی میں آپ کے لئے بہت دعا کر رہا ہوں۔ آپ کو تصور نہیں ہے کہ کس طرح کر رہا ہوں تو کہتی ہیں صرف میرے لئے نہ کریں۔ ساری دنیا کے بیماروں کے لئے کریں۔ اور بھی تو بیمار ہیں۔ وہ بھی تو دکھوں میں مبتلا ہیں۔ میں نے کہا۔ میں پہلے ہی ان کے لئے دعا کر رہا ہوں اور کبھی ہوا ہی نہیں کہ تمہارے لئے کروں اور توجہ پھیل کر ساری دنیا میں بیماروں تک نہ پہنچے۔ جس جس ملک میں مختلف Continents میں لوگ تکلیف میں مبتلا ہیں۔ تمہارے دکھ کا فیض دعاؤں کی صورت میں سب کو پہنچ رہا ہے اس پر چہرے پر بڑا ہی اطمینان آیا اور کہا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے اس طرح دعا کیا کریں۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ابتداء میں آپ کا لجنہ وغیرہ سے کوئی ایسا تعلق نہیں تھا کیونکہ تربیت اور رنگ کی تھی لیکن میرے کاموں میں بہت ہی بوجھ اٹھایا ہے کیونکہ میرے تعلقات بہت زیادہ وسیع تھے اور ہر وقت مہمانوں کا آنا جانا' گھروں میں میٹنگز ہونی۔ میرا بے وقت گھر سے باہر نکل جانا' صبح ایک سفر پر روانہ ہوا کہ رات کو آجاؤں گا لیکن وہاں سے آگے بنگال چلا گیا۔ کئی دفعہ دو دو ہفتے بعد' تین تین ہفتے بعد لوٹا لیکن کبھی بھی عدم تعاون کا اظہار نہیں کیا۔ یہ شکوہ نہیں کیا کہ آپ مجھ سے یہ کیا کرتے ہیں۔ مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بتاتے بھی کچھ نہیں۔ میں سلسلہ کے کام کیا کرتا تھا تو بہت سی ایسی باتیں تھی جن کا گھر میں اشارۃً بھی ذکر نہیں کرتا تھا۔ اس پر یہ شکوہ کبھی کیا کرتی تھیں کہ باقیوں کو پتہ ہے آپ مجھ سے ہی صرف راز رکھتے ہیں۔ مجھ سے فلاں نے پوچھا کہ آپ نے فلاں کام کیا فلاں جگہ گئے۔ مجھے نہیں بتایا۔ میں نے کہا کہ میں تو جماعتی کاموں کو اور گھر کے معاملات کو الگ الگ رکھتا ہوں اور میں پسند نہیں کرتا کہ مجھ پر جو جماعتی ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں۔ میں ان کا گھر والوں سے ذکر کروں۔ اس طرح پھر گھروں کے دخل شروع ہو جاتے ہیں اور پھر تبصرے اور بہت سی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اس طرح میرے کاموں پر غلط اثر پڑنے کا خطرہ ہے تو اس بات کو پھر ہمیشہ قبول کئے رکھا اور وفات کے دن تک کبھی بھی جماعتی کاموں میں دخل اندازی کی نہ کوشش کی نہ مجھ سے جستجو کی نہ مشورے دئے۔ اگر مشورے دیئے ہیں تو معمولی مثلاً ۴۱ (انگلستان میں بیت الفضل کے قریب جماعت کا گیسٹ ہاؤس مراد ہے) کو ٹھیک کرنا ہے۔ مہمان آتے ہیں اور وہ بہت گندی حالت میں ہے وہاں جاکر کام بھی کیا لیکن رفتہ رفتہ جماعت کی خواتین سے تعلق بہت بڑھ گیا اور خاص طور پر ہجرت کے بعد بہت وسیع تعلق ہوا ہے۔ آسٹریلیا میں' فجی میں' سنگا پور میں' پھر یورپ کے Continent کے سب ممالک میں' کینیڈا میں' امریکہ میں جہاں جہاں گئیں بہت ہی انکساری کے ساتھ خواتین سے ملتی تھیں۔ اور یہ ایک ایسی خوبی تھی جو فطرۃً ودیعت ہوئی تھی۔ اس میں کوئی تکلف نہیں تھا۔ کبھی بھی اپنے آپ کو کسی معنوں میں بھی بڑا نہیں سمجھا اور ہر ایک سے برابر محبت سے پیار سے ملتی تھیں۔ خاص طور پر انگلستان کی خواتین سے تو بہت ہی تعلق تھا اور کہا کرتی تھیں کہ ان کے بہت ہی احسانات ہیں۔ بہت خدمت کی ہے۔ لیکن یہ تکلیف تھی کہ میں ان سے بیماری کی حالت میں نہیں مل سکتی۔ کیا کروں؟ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ اس حالت میں لوگ آکر مجھے دیکھیں۔ اس لئے میں اچھی ہوں گی تو پھر ملوں گی۔ پیغام دے دو کہ میرے دل میں قدر ہے۔ میں احسان فراموش نہیں

ہوں۔ میں جو روکتی ہوں تو وہ میری مجبوری ہے۔ چنانچہ میں نے جس حد تک بھی مجھ سے ہو سکا لجنہ والیوں کو پیغام بھیجے کہ بی بی کے متعلق وہ غلط تصور نہ کریں نعوذ باللہ من ذلک ایسا آپ سے عدم تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ تعلق کی وجہ سے ہے اور بہت چند تھے جن کے ساتھ اتنی بے تکلفی تھی یا بیماری کے دوران ہو گئی کہ جن کو آپ اپنے ساتھ برداشت کر لیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ انہیں کے سپرد خدمت کر دو۔ ان میں ایک کیپٹن بشریٰ نرس' غالباً سردار رفیق صاحب کی بیگم ہیں۔ انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ ایک لیقہ احمد کرائیڈن کی ہیں۔ انہوں نے دن رات خدمت کی۔ ان دونوں کی خدمت کو بہت سراہتی تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ایسی خواتین تھیں جن کو خدمت کا موقعہ ملا ہے۔ امتہ القدوس ایاز جو ڈاکٹری کے چوتھے سال میں پڑھ رہی ہیں اور افتخار ایاز صاحب کی بیٹی ہیں ان سے بہت خوش تھیں۔ ایک تو وہ ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے ان کے مرض کو سمجھتی تھیں دوسرے ان کا مزاج اتنا دھیما' میٹھا' محبت کرنے والا ہے کہ بہت ہی پیار کے ساتھ ان کو سمجھاتی تھیں چنانچہ ان سے بہت خوش رہتی تھیں اور کئی دفعہ قدوس مجھے بتاتی تھیں کہ آپ پہلے آتے تو حیران ہو جاتے کہ کتنے اچھے موڈ میں مجھ سے باتیں کرتی رہیں اور اپنی پرانی باتیں بتاتی رہیں جو سفر آپ کے ساتھ کئے' یہ وہ سب قصے سناتی رہیں ان تین خواتین کو تو بہت ہی غیر معمولی خدمت کی توفیق ملی ہے۔ اس کے علاوہ صبیحہ لون صاحبہ ہیں۔ نعیمہ کھوکھر ہیں اور باقی سب کو جہاں جہاں کچھ موقع ملا' خدمت تو انہوں نے کی لیکن مجبوری کی وجہ سے ان کو زیادہ موقعہ دیا نہیں جا سکا۔

باہر سے جو آئے ہیں' ان کو پہلے تو میں بہت روکتا رہا کیونکہ میری طبیعت پر بوجھ پڑتا تھا کہ لوگ آجائیں اور خاص طور پر اس لئے کہ ان کو اپنی ذہانت کی وجہ سے فوراً پتہ لگ جاتا کہ کوئی بات ہو گئی ہے جو لوگ آرہے ہیں مگر بہرحال بہنوں بھائیوں کا حق ہے میں اس کو روک نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ بہت مشکل سے ذہنی طور پر تیار کیا اور کہا کہ میں نے روک تو دیا ہے کہ کیا ضرورت ہے آنے کی؟ وہ بہت اصرار کر رہے ہیں کہ ہمارا دل ملنے کو چاہتا ہے۔ آپ کیوں روکتے ہیں؟ تو کیا پھر میں اجازت دے دوں؟ شروع میں تو کہتی تھیں کہ اجازت نہ دو لیکن میرے بار بار مختلف طریق سے کہنے پر آخر آمادہ ہو گئیں تو عزیزہ شاہدہ نسیم' ان کے بھائی نسیم کی بیوی اور نسیم دونوں آگئے۔ صبیحہ آگئیں۔ جو ان کی بڑی بہن ہیں۔ فوزیہ بھی چند دن ہوئے پہنچ گئیں۔ میری بہنوں نے بہت زور دیا مگر میں نے کہا کہ نہیں' مناسب نہیں ہے۔ آپ لوگ ٹھہریں۔ اپنی بہنوں کی تو اور بات ہے میری بہنیں بھی پہنچنی شروع ہو گئیں تو ان کو خطرہ ہو گا کہ معاملہ بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے لیکن امتہ الجمیل اور باجی امتہ القیوم جو میری بڑی باجی ہیں اور بھائی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی بیگم ہیں یہ یہاں پہنچ گئی تھیں۔ کل ہی پہنچیں اور ملاقات ہو گئی۔ دیکھ لیا۔ یہ تھا ان کا عرصہ حیات اور بیماری کا دور۔

بعض دفعہ تسلی کے لئے میں جو باتیں ڈھونڈتا تھا ان میں ایک یہ بات بھی تھی جس کو بڑے ہی جذبہ تشکر کے ساتھ سنا کرتی تھیں۔ میں نے کہا کہ دیکھو! آج دنیا میں ایک مریض ہے جس کے لئے اتنی دعائیں ہو رہی ہیں کہ خدا کی قسم ساری

دنیا میں کوئی مریض ایسا نہیں جس کے لئے اتنی دعائیں ہو رہی ہوں۔ مشرق سے مغرب تک دنیا بے چین ہے میں نے کہا کہ مجھے خط ملتے ہیں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتی کہ کتنے تڑپانے والے خط ہیں۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ کالے گورے، ہر رنگ کے لوگ دور دراز ملکوں میں اس قدر بے قرار ہیں تو خدا نے تمہیں یہ سعادت نصیب کی ہے۔ کہاں سے کہاں تمہیں پہنچا دیا۔ شکر کرو۔ مجھے کہا کہ آپ لاکھ لاکھ شکر کریں۔ میں نے کہا کہ ہاں میں تو لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں تو آخری دور میں دعاؤں کی طرف، نیک باتوں کی طرف، ذکر الٰہی کی طرف بہت ہی توجہ رہی اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آخری دنوں میں پوری طرح بغیر کسی تردد کے، بغیر کسی استثناء کے کامل طور پر راضی برضا ہو چکی تھیں اور اپنے آخری وقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

رات جس وقت دم توڑا ہے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ باتیں کر رہی تھیں اور یہی اللہ سے میری بہت زیادہ دعا تھی کہ اے خدا! آرام سے اٹھانا۔ بشریٰ نرس جو ساتھ تھیں انہوں نے کہا کہ باتیں کر رہی تھیں۔ کوئی تکلیف نہیں تھی۔ بڑے سکون میں تھی تو ایک بات کے بعد دوسری بات نہیں آئی۔ میں نے دیکھا تو گھبرا کر میں باہر گئی۔ ڈاکٹر نے آکر دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ تو دم توڑ چکی ہیں۔ اس طرح خدا نے اس التجا کو قبول فرما لیا اور بڑے سکون کے ساتھ رخصت ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ انشاء اللہ کل اسلام آباد میں ظہر کی نماز کے بعد ہوگی۔

❁ ❁ ❁

# وقف نو میں بچے پیش کرنے والے خوش قسمت والدین کے لئے

پیارے امام حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے۔ فرمایا :۔

"میں جماعت کے اس حصے کو نصیحت کرتا ہوں جس کو خدا تعالیٰ نے وقف نو میں شمولیت کی توفیق عطاء فرمائی کہ وہ تحریک جدید کی ہدایات کے مطابق اپنے بچوں کی تیاری میں پہلے سے زیادہ بڑھ کر سنجیدہ ہو جائیں۔ اور بہت کوشش کر کے ان واقفین کو خدا تعالیٰ کی راہ میں عظیم الشان کام کرنے کے لئے تیار کرنا شروع کریں"۔

فرمایا "یہ بچے قربانی کے مینڈھے سے بہت زیادہ عظمت رکھتے ہیں اور ان کے ماں باپ کو اس سے بہت زیادہ محبت سے ان کو خدا کے حضور پیش کرنا چاہیئے جتنی محبت خدا کی راہ میں بکرا ذبح کرنے والا اس کی تیاری کرتا ہے یا مینڈھے کی تیاری کرتا ہے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم دسمبر ۱۹۸۹ء)

❁ ❁ ❁

# ایک بزرگ درویش کا القاءِ ربانی

## سب کو چھوڑو خلیفے کو پکڑو

مرسلہ :۔ مکرم منیر احمد جاوید ، لندن

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی جماعت احمدیہ کے ایک نہایت بلندپایہ بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظر خدمت درویشان کے نام پارٹیشن کے جلد بعد ۵ ؍فروری ۱۹۵۰ء کو قادیان سے جو خط لکھا وہ اس لائق ہے کہ اسے آج بھی دہرایا جائے اور آج کی احمدی نسلیں بھی ان بزرگوں سے فیضیاب ہوں۔ یہ ایسے ربانی وجود تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ اور دوسرے بزرگ ہمیشہ ان کو استخاروں اور دُعا کے لئے کہا کرتے تھے اور ان کا بھی خدا تعالیٰ سے اتنا روشن اور زندہ تعلق تھا کہ ہر الجھے ہوئے مسئلہ کا جواب بڑی جلدی صفائی سے انہیں بتا دیا جاتا۔ خدا کرے کہ آج کی احمدی نسل میں بھی بکثرت ایسا اُجلا ذاتی تعلق باللہ رکھنے والے پیدا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

حضرت محترمی حبّی فی اللہ میاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱۹۴۷ء کے فسادات میں جب حالات زیادہ بگڑ رہے تھے اور کچھ احمدی احباب بھی قادیان سے رختِ سفر باندھ رہے تھے۔ مجھے ازحد تشویش ہوئی کہ دارالکفر سے نکل کر قادیان میں آیا تھا اب پھر کہاں جاؤں؟ اس وقت امیر جماعت آپ تھے۔ میں براہِ راست آپ کے پاس اسی لئے یہاں سے نکلنے کی بابت کبھی نہیں آیا۔ پھر لکھ کر یا مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو لکھ کر آپ کا عندیہ معلوم کیا۔ تو چونکہ صلحاء کی فراست میں نورِاللہ ہوتا ہے۔ آپ نے یہی مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیں۔ بعد میں جب حالات اور ابتر ہو گئے اور یہ حکم ہوا کہ جوان لڑکیاں اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں چلے جائیں۔ میں نے اس وقت بڑے اضطراب سے دُعا کی تو یہ الفاظ میری زبان پر تھے کہ

”قادیان سے جانا شومئی قسمت ہے“

میں نے اپنی مرحومہ بیوی سے کہا کہ تم چلی جاؤ میں نہیں جاؤں گا۔ نہیں معلوم کیسی تکلیفیں پیش آئیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ آپ نہیں جاتے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔ پھر میں نے آپ کے پاس مولوی فضل الدین صاحب کو بھیجا کہ یہ حالات ہیں مولوی صاحب نے واپس آکر مجھے یہ بتایا کہ ان حالات میں آپ کو میاں صاحب اجازت دیتے ہیں۔ بات تو صاف تھی کہ قادیان میں رہنا خوش نصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا منشا بتا دیا تھا لیکن حالات پیش آمدہ میں میں اپنی اہلیہ اور پانچ جوان لڑکیوں کو لے کر گیا۔ گو بفضلہ تعالیٰ مجھے بعد میں اکیلے قادیان واپس آنے کی توفیق مل گئی۔ لیکن ابتداءً قادیان سے نکلنے کا خیال آتا ہے تو ازحد تکلیف ہوتی ہے۔ ۲۹ ؍جنوری ۱۹۵۱ء کو میرے لڑکے کا خط آیا کہ آپ کی دعاؤں کے طفیل میں میجر ہو گیا ہوں۔ میں نے اسے لکھا کہ آپ بال بچوں والے ہیں آپ کے رزق میں فراخی باعث راحت ہے لیکن میری ازحد خوشی اس وقت ہوگی جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا لئے ہوئے جنت الفردوس میں داخل ہوں گے نیکی سے غافل نہ رہیں۔ بحمداللہ میں اچھا ہوں۔ لیکن اکیلا رہنا اور تنہائی کبھی کبھی محسوس ہوتی ہے (اس عرصہ میں میری دیرینہ رفیق حیات اور محسنہ بیوی بھی پاکستان میں فوت ہو چکی ہے) لیکن خدا تعالیٰ کا ساتھ ہے اس لئے خوشی ہی خوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم ہے اس نے بھی اسباب بادیہ پر نظر رکھتے ہوئے اصلاحی صورت میں صدق، وفا اور اخلاص کو کچھ میلا ہوتا دیکھ کر آج رات ساڑھے تین بجے کے قریب یہ فرمایا :۔

”سب کو چھوڑو خلیفے کو پکڑو“

ہر کام کے لئے پہلے خیال ہوتا ہے پھر عزم پھر آلاتِ جسم کام کرتے ہیں۔ یہ اس کا خاص فضل ہے کہ اس نے یہ الفاظ فرما کر بہت سے عرفان سے متمتع کیا اور چونکہ وہ طیّب ہے اور طیّب ہی کو قبول کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ کر دیا کہ سب کچھ ہی چھوڑ دو۔ ایسے خیالات کی رو بھی کبھی اس رنگ میں نہ آنے دو کہ قادیان میں رہنا کسی رنگ میں بھی ملال کا موجب ہو سکے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

”رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے۔ مگر تم اُس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مُراد یابی اور نامرادی میں اُس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہو گا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔“

# حضرت سیّدہ آصفہ بیگم صاحبہ کا سفرِ آخرت

اسلامی اور عیسوی تقویم کے مطابق ۲۔ اپریل ۱۹۹۲ء کی شب ختم ہو چکی تھی اور ۳۔ اپریل جمعۃ الوداع کا دن طلوع ہو رہا تھا۔ ۱۲۔ بج کر چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ محترمہ حضرت سیّدہ آصفہ بیگم صاحبہ حرم سیّدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

آپ چند ماہ سے علیل اور سینٹ جارجز ہسپتال ٹوٹنگ لندن میں زیرِ علاج تھیں۔ جہاں جتنی انسانی کوششیں ممکن تھیں کی جا چکی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ سو اس نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

رحلت کی یہ افسوسناک خبر فوری طور پر اکناف عالم میں پھیلی ہوئی احمدیہ جماعت کے ممبران کو مختلف ذرائع مواصلات کے ذریعہ پہنچا دی گئی۔ اکثر احباب خبر سنتے ہی دعاؤں کا وِرد کرتے ہوئے اور غم کی مجسم تصویر بنے بیت الفضل لندن میں اکٹھے ہوتے گئے۔

حضور اقدس اس سانحہ عظیم سے کچھ دیر قبل ہی حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ کی عیادت کر کے ہسپتال سے واپس لوٹے تھے۔ لیکن ۱۲۔ بجے کے لگ بھگ تشویشناک صورتحال کی اطلاع پاتے ہی اپنی بچیوں کے ہمراہ دوبارہ ہسپتال کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں مکرم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ وہ گیٹ پر لفٹ کے سامنے انتظار کر رہے ہیں جس سے حضور اقدس سمجھ گئے کہ تقدیرِ الٰہی جاری ہو چکی ہے۔ چنانچہ آپ نے بچیوں کو سمجھایا کہ اگر ان کی والدہ کی حالت تشویشناک ہوتی تو ڈاکٹر صاحب بستر کا پہلو ہرگز نہ چھوڑتے۔ یہ وفات کی علامت ہے۔ بس اب صبر اور امتحان کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس لئے بچیوں سے فرمایا کہ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم صبر کرو گی اور یہ کہ اب ہم وہی کریں گے جو خدا تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے اور جس کی تلقین ایسے وقتوں میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا ۲۱۔ جنوری ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئیں۔ اس طرح آپ کی عمر مبارک تقریباً ۵۶ سال دو ماہ بنتی ہے۔ آپ مکرم محترم مرزا رشید احمد صاحب ابن حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی بیٹی تھیں اور اس طرح سیّدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ (اللہ کی سلامتی ہمیشہ آپ پر نازل ہو) کی پڑپوتی بنتی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ سیّدہ امۃ السلام صاحبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی بیٹی تھیں۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں جلسہ سالانہ کے قریب آپ کی شادی سیّدنا حضرت مصلح موعود کے صاحبزادے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سے ہوئی۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ۱۹۸۲ء میں منصب امامت پر متمکن فرمایا۔ اس طرح حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ نے ۳۵ سال کا عرصہ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زوجیت اور رفاقت میں گذارا۔

زندگی کے آخری ۱۰ سال امام وقت کی اہلیہ کی حیثیت سے آپ نے اپنے ذاتی آرام، آسائشوں اور خواہشات کی قربانی دیتے ہوئے جماعت احمدیہ کی والہانہ خدمات کی انجام دہی میں بسر کئے اور حضور اقدس کے ساتھ قدم بقدم خدمت سلسلہ میں بھرپور حصہ لیا۔ بالخصوص حضور اقدس کی لندن تشریف آوری کے بعد جماعت احمدیہ عالمگیر کی مستورات سے مشفقانہ رابطہ اور ان کی تربیت کا فریضہ جس محبت، لگن اور حسن اسلوب سے سرانجام دیا وہ کبھی آپ کی یاد کو احمدی خواتین کے دل سے محو نہ کر سکے گا۔

آپ کا وصال ایک عظیم جماعتی صدمہ ہے جس کی وجہ سے جماعت کا ہر مرد و زن، بچہ بوڑھا مغموم و محزون ہے لیکن ہم سب خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں اور (ہم خدا کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کے وسیع اور پُر معارف معنی کو بزبان مبارک حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پا چکے ہیں کہ

"جانے والا وجود تو اسی کی طرف لوٹ کر چلا گیا جس کا تھا اور جس کی طرف جانا تھا۔ ہم بھی اسی کے ہیں اس لئے اس کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے اور اپنے بقیہ ایام اسی کے لئے، اسی کی خوشنودی اور ہدایت کے مطابق گذاریں گے۔ جس کے ہیں اور جس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

؎ بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

سیّدنا حضرت امام جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت شادی سے قبل ہی مل چکی تھی کہ

"تیرے کام کے ساتھ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

چنانچہ آپ کی وفات پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا

"روزمرہ کے رہن سہن کے معیار کے حساب سے بعض ذہنی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود اپنے بلند معیارِ زندگی کو ترک کرتے ہوئے ایک واقف زندگی کے ساتھ بڑے صبر کے ساتھ وقت گذارا۔ کبھی بوجھ نہیں ڈالا اور نہ کسی ایسی چیز کی خواہش کی جو میں انہیں دے نہیں سکتا تھا۔"

پھر فرمایا

"میں نے ان کی شدید بیماری کے پیشِ نظر تاریخی جلسہ قادیان پر جانے کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی شدید علالت، پتے کے کینسر (CANCER) کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس تاریخی سفر اور جلسہ پر جانے کا فیصلہ فرما کر میرے لئے اور ہم سب کے لئے اس تاریخی جلسہ کو ممکن بنایا اس لحاظ سے ہمارے تمام کاموں میں شرکت کرتی رہیں۔ ان کا یہ احسان مجھ پر ہمیشہ رہے گا۔"

شاید آپ کی اس عظیم قربانی کے باعث ہی اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر حضرت بیگم صاحبہ کو ترکِ وطن کے دوران وفات کی سعادت عظیم نصیب کر گئی۔ اور جس کو یہ سعادت نصیب ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عظیم خوشخبری ہے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود اس کے اجر کا ضامن ہے۔ چنانچہ فرمایا

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو سمجھو کہ اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہو چکا اور اللہ بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

الغرض سیّدنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ۳۵ سالہ رفاقت اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے ایک فقیر منش واقف زندگی، فعّال خادم سلسلہ اور شب و روز دین حق کی حفاظت و اشاعت نیز انسانیت کے دُکھ اور درد دُور کرنے میں کوشاں رہنے والے حضرت امام جماعت احمدیہ کے ساتھ نہایت خلوص پیار، صبر و رضا اور عملی تعاون سے لبریز زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ کا جسدِ اطہر جمعۃ الوداع کے روز ہی ہسپتال سے بیت الفضل لندن پہنچ چکا تھا۔ جسے جماعت کے گیسٹ ہاؤس میں رکھا گیا اور جہاں ہزارہا سوگوار احمدی خواتین نے رات گئے تک چہرہ مبارک کا دیدار کیا۔ اگلے روز یعنی مورخہ ۴۔ اپریل ۱۹۹۲ء جنازہ کو صبح ۱۰ بجے کے قریب محمود ہال میں لا کر رکھ دیا گیا۔ جہاں خاندان حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے افراد کے علاوہ دُور دُور

باقی صفحہ ۲۳ پر

حضرت مولانا

# غلام رسول راجیکی رضؓ کے تبلیغی واقعات

مکرم فضل الٰہی انوری، سابق مبلغ جرمنی

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ دسمبر ۱۹۹۱ء میں ارشاد فرمایا ہے کہ داعیان الی اللہ کے لئے ایسے منتخب قسم کے ایمان افروز واقعات ملکی رسائل میں شائع ہوتے رہنے چاہئیں جو انہیں روح کی تازگی اور شادابی کا سامان مہیا کرنے کے علاوہ ان کے علم میں اضافہ کا موجب بھی ہوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلی قسط کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ کی خودنوشت سوانح حیات "حیات قدسی" حصہ اوّل میں سے تین واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلے واقعہ میں آپؓ نے اپنی قبول احمدیت سے قبل کی ایک رؤیا بیان فرمائی ہے جس سے اس امر پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہندوستان میں ظہور ایک ایسی تقدیر الٰہی تھی جو پہلے سے مقدر ہو چکی تھی۔ نیز اس سے اُس حدیث کی بھی خوب تشریح ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیحؑ کے کاموں میں سے ایک کام یقتل الخنزیر (یعنی وہ خنزیروں کو قتل کرے گا) بتایا۔ فھو ھذا:

## لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں شمولیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت راشدہ سے قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گاؤں موضع راجیکی میں اپنے گھر سے باہر نکلا ہوں اور اس کوچہ میں جو ہمارے گھر سے مغرب کی جانب شمالاً جنوباً چلا گیا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ مسمیان اللہ جوایا اور نظام الدین بافندوں کی کھڈیوں کے پاس لوگ بڑی کثرت سے جمع ہیں میں نے اس وقت سامنے سے آنے والے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے تو اس نے بتایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے میں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلعم بھی اس لشکر میں موجود ہیں تو اس نے کہا کہ ہاں حضورؐ بھی موجود ہیں یہ سنتے ہی میں نے اپنی جوتیاں وہیں پھینکیں اور بھاگتے ہوئے آنحضورؐ کے لشکر میں جا ملا۔ وہاں دیکھا تو مشرقی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شاہانہ ٹھاٹھ سے ایک ہاتھی کی عماری پر جلوہ فرما ہیں۔ اور اس لشکر میں جس کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بھرتی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے گاؤں کے لوگوں میں سے اس وقت میں ہی حضور اقدسؐ کی خدمت عالیہ میں آگے بڑھا اور تسلیمات عرض کرنے کے بعد اس لشکر میں بھرتی ہو گیا اس کے بعد ہم تمام فوجیوں کو برچھیاں دی گئیں اور حکم ملا کہ تم نے خنزیروں کو قتل کرنا ہے ازاں بعد اچانک نظارہ بدلا اور ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ہمارے چاروں طرف بڑے بڑے فربہ خنزیر ہیں جنہیں ہم نے قتل کرنا شروع کر دیا ہے اور جو خنزیر کسی سے قتل نہیں ہوتا میں برچھی کے ایک وار سے اُسے وہیں ڈھیر کر دیتا ہوں اس رویائے صادقہ کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تبلیغ ہدایت کا موقع عطا فرمایا اور اس مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل جس کی علامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقتل الخنزیر ویکسر الصلیب قرار دی ہے مجھے ہزاروں مرتبہ ایسے خنزیر صفت لوگوں کے مقابلہ میں اپنے فضل سے نمایاں فتح نصیب فرمائی ہے۔ اس رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہندوستان پر چڑھائی کرنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضورؐ کی بعثت ثانیہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ہندوستان کا ملک ہی مقدر ہے۔

✻

## اعجاز احمدیت

فیضان ایزدی تے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت راشدہ کے طفیل اور تبلیغ احمدیت کی برکت سے میرے اندر ایک ایسی روحانی کیفیت پیدا کر دی تھی کہ بعض اوقات جو کلمہ بھی میں منہ سے نکالتا تھا اور مریضوں اور حاجتمندوں کے لئے دعا کرتا تھا مولیٰ کریم اسی وقت میرے معروضات کو شرف قبولیت بخش کر لوگوں کی مشکل کشائی فرما دیتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب میں موضع سعد اللہ پور گیا تو میں نے چوہدری اللہ داد صاحب کو جو چوہدری عبد اللہ خان نمبردار کے برادر زادہ تھے اور ابھی احمدیت سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ مسجد کی ایک دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ بے طرح دمہ کے شدید دورے میں مبتلا تھے اور سخت تکلیف کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے پچیس سال سے پرانا دمہ ہے جس کی وجہ سے زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ میں نے علاج معالجہ کی نسبت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ دور دور کے قابل طبیبوں اور ڈاکٹروں سے علاج کروا چکا ہوں مگر انہوں نے اس بیماری کو موروثی اور مزمن ہونے کی وجہ سے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ اس لئے میں اب اس کے علاج سے مایوس ہو چکا ہوں۔

میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی بیماری کو لکل داءٍ دواء کے فرمان سے لاعلاج قرار نہیں دیا۔ آپ اسے لاعلاج سمجھ کر مایوس کیوں ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اب مایوسی کے سوا اور کیا چارہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا خدا تو فعال لما یرید ہے اور اُس نے فرمایا ہے کہ

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

یعنی یاس اور کفر تو اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن ایمان اور یاس اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے آپ ناامید نہ ہوں اور ابھی پیالہ میں تھوڑا سا پانی منگائیں میں آپ کو دم کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت انہوں نے پانی منگایا اور میں نے خدا تعالےٰ کی صفت شافی سے استفادہ کرتے ہوئے اتنی توجہ سے اس پانی پر دم کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی اس صفت کے فیوض سورج کی کرنوں کی طرح اس پانی میں برستے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ پانی افضال ایزدی اور حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی برکت سے مجسم شفا بن چکا ہے۔ چنانچہ جب میں نے یہ پانی چوہدری اللہ داد کو پلایا تو آن کی آن دمہ کا دورہ رُک گیا اور پھر اس کے بعد کبھی اُنہیں یہ عارضہ نہیں ہوا حالانکہ اس واقعہ کے بعد چوہدری اللہ داد تقریباً پندرہ سولہ سال تک زندہ رہے۔ اس قسم کے نشانات سے اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب موصوف کو احمدیت نصیب فرمائی اور آپ خدا کے فضل سے مخلص اور مبلغ احمدی بن گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

*

## اعجاز نماء واقعہ صداقت (قم باذن اللہ)

اسی زمانہ میں جبکہ میں اپنے گاؤں اور علاقہ کے لوگوں کو احمدیت کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ بعض بڑی عمر کے بوڑھے مجھے کہا کرتے تھے کہ تم تو بچے ہو اگر مرزا صاحب کے دعویٰ میں کوئی صداقت ہوتی تو آپ کے تایا حضرت میاں علم الدین صاحب جو اس زمانہ کے غوث اور قطب ہیں اور چالیس سیپارے قرآن مجید کے ہر روز پڑھتے ہیں اور صاحبِ مکاشفات ہونے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضوری بھی ہیں وہ نہ مرزا صاحب کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے۔ میں انہیں اس قسم کے عذرات لنگ پر بہتیرا سمجھاتا مگر وہ ایک وقت تک یہی رٹ لگاتے رہے۔ آخر میں نے انہیں کہا کہ بتاؤ اگر حضرت میاں صاحب میرے سیّد و مولا حضرت مسیح قادیانی علیہ السلام کو نبی اور امام مہدی تسلیم کر لیں تو کیا تم لوگ ان پر بدگمانی کرتے ہوئے حضور اقدس علیہ السلام کی بیعت سے انحراف تو نہیں کرو گے۔ اس وقت ان لوگوں میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت میاں صاحب مرزا صاحب پر ایمان لے آئیں اور ہمارا سارا علاقہ اُن کے پیچھے ایمان نہ لائے۔ احمدیت کے متعلق ان کی یہ آمادگی دیکھ کر میں نے حضرت تایا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ حضور اقدس علیہ السلام کی صداقت کے متعلق دعا کریں اور استخارہ بھی فرمائیں چنانچہ آپ نے میری درخواست پر استخارہ شروع کر دیا اور میں نے آپ کے لئے دعا شروع کر دی۔ مجھے دعا کرتے ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے گاؤں سے شمال کی جانب بہت سے لوگوں کا ہجوم ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چارپائی پر حضرت میاں علم الدین صاحب کی لاش پڑی ہوئی ہے اور لوگ اس کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں ان لوگوں نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ ہمیشہ مرزا صاحب کے متعلق کہتے رہتے ہیں کہ وہ امام مہدی اور مسیح موعود ہیں اگر واقعی وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ کوئی نشان دکھائیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیسا نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میّت جو ہمارے سامنے پڑی ہے اسے آپ زندہ کر دیں۔ چنانچہ میں نے اسی وقت لاش کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت جلال سے کہا:-

قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ ناقل)

میرا یہ کہنا تھا کہ حضرت میاں صاحب زندہ ہو کر بیٹھ گئے اور مجھے دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔

جب میں بیدار ہوا تو مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت میاں صاحب کو خدا تعالیٰ ضرور حضرت سیّدنا مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت نصیب کرے گا اور ایک نئی زندگی مرحمت فرمائے گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک دن مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں کو تبلیغ کر رہا تھا اور وہ اپنے سابقہ دستور کے مطابق حضرت میاں صاحب ممدوح کی آڑ لے رہے تھے کہ اچانک آپ میری تلاش میں اِدھر آنکلے اور دریافت فرمایا کہ میاں غلام رسول یہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں حاضر ہوں ارشاد فرمائیے۔ فرمانے لگے۔

"مجھے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اس بات کا نہایت صفائی کے ساتھ علم دیا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کے سچے مامور اور امام مہدی اور مسیح موعود ہیں۔ اور آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ میں ان پر ایمان لے آیا ہوں۔"

پھر آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میری بیعت کا خط حضرت صاحب کی خدمت میں لکھ دیں۔ حضرت میاں صاحب کے ارشاد گرامی کے بعد جب میں نے لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہاری کیا مرضی ہے۔ تو اسی وقت بعض بدبختوں نے کہا کہ شیطان نے بلعم باعور ایسے ولی کا ایمان چھین لیا تھا۔ حضرت میاں علم الدین صاحب کس شمار میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے حضرت میاں صاحب موصوف کی بیعت کا خط لکھ دیا اور وہ بزرگ جو لوگوں کے زعم میں اپنے زمانہ کا غوث تھا حضور اقدس علیہ السلام کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے والد بزرگوار کے چھوٹے بھائی حضرت حافظ نظام الدین صاحب بھی احمدی ہو گئے۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے قادیان بھی تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

قادیان کی عظمت اور عزّت اور جلال اور جمال کو بحال کرنے کے لئے ساری دنیا کی جماعتوں کو بہت محنت کرنی ہے اور ہندوستان کی جماعتوں کے کھوئے ہوئے وقار اور مقام کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے ساری دنیا کی جماعتوں کو بہت محنت کرنی ہوگی ــــــ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ر جنوری ۱۹۹۲ء

# اسیروں کا قافلہ ـــــ ایک مختصر تعارف

مکرم محمد الیاس منیر، فیصل آباد سنٹرل جیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنٹرل جیل فیصل آباد

۱۶/۱۰۰۱۰۱۴۷۱/۱۹۹۲ء

برادرم محترم عرفان احمد !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا گرامی نامہ مجھے بہت پہلے ملا تھا۔ جس میں اخبار احمدیہ جرمنی کے لئے کسی مضمون کے لئے ارشاد تھا۔ اس کے لئے خاکسار نے آپ کا خط ہمیشہ سرِ فہرست رکھا مگر ہر دفعہ خطوط لکھتے وقت کام کی زیادتی اور دیگر مصروفیات کے باعث اسے تسلّی کے ساتھ لکھ سکنے تک مؤخر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ چند روز پہلے اخبار احمدیہ کا وہ شمارہ مجھے پہنچ گیا جس کے لئے آپ نے مجھ سے کچھ لکھنے کی خواہش فرمائی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے لئے کچھ بھی نہ لکھ پایا۔ اب جبکہ میں فاضل عربی کے امتحان سے بھی فارغ ہو چکا ہوں، لکھنے کے لئے خاکہ بنا رہا تھا۔

بہرحال اب جبکہ شمارہ آچکا ہے، میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہم اسیرانِ کے لئے اپنے جذبات کا اظہار فرمایا ہے اور احباب جماعت کے لئے دعاؤں کی تحریک کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں اور مخلصانہ جذبات کو قبول فرمالے اور اپنے فضل سے آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

اس موقعہ پہ آپ کو اور آپ کے سارے رفقاءِ کار اور احبابِ جماعت جرمنی کو ہدیہ تبریک پیش ہے۔

پابہ جولاں اسیروں کا ایک قافلہ ۲۶ راکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح مسجد احمدیہ ساہیوال (پاکستان) میں ہونے والے حادثہ سے منسوب ہے۔ آغازِ سفر پر کسی کو بھی بظاہر اپنے سفر سے متعلق مطلقاً علم نہ تھا کہ کس طرف ہے، کس وجہ سے ہے تاہم یہ شعور سبھی کو تھا کہ یہ شاہراہ مولیٰ کا سفر ہے اور درحقیقت ان کا قصور اور جرم ایک منادی کی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سبھی مسافر سفر کے صدموں اور ہچکولوں سے بے نیاز ہو کر بڑے اطمینان کے ساتھ محوِ سفر ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ اب ساتویں سال کی تکمیل پر بھی اُسی کیفیت، اُسی جوش و جذبہ اور استقامت کے ساتھ سفر کئے جا رہے ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اس پر سکون کیفیت کا سارا سہرا دراصل اُن دو کروڑ آنکھوں اور ایک کروڑ دلوں کے سر ہے، جو ہمارے اس کرہ ارض کے گرداگرد ہر لمحہ اپنے قادر اور قدیر اور مقتدر مولیٰ کے حضور اِن مسافروں کے لئے گریہ کناں اور سیماب ہیں اور اُس برسات کی بدولت ہے جو اِن آنکھوں اور دلوں سے برس رہی ہے اور ہر دم پیار، محبت اور خلوص کے موتی نچھاور کر رہی ہیں ـــ اور اِن آنکھوں اور اِن دلوں میں گھُل مل جانے والا ایک دل ایسا بھی ہے جو سب دلوں کا سرتاج ہے اور دو آنکھیں ایسی بھی ہیں، جو سب سے زیادہ بے قرار ہیں اور اس کا شاہد ہر کوئی ہے ؎

کیا، تم کو خبر ہے رہِ مولیٰ کے اسیرو !
تم سے مجھے اک رشتۂ جاں سب سے سوا ہے

اس آہ و بکا، چیخ و پکار اور خوں بار شور نے عرشِ الٰہی کو کچھ اس طرح ہلایا ہے کہ اُس عرش سے ہر لمحہ بے پایاں افضال و برکات کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے، چلچلاتی دھوپ کے اس سفر میں ایک بدلی مسلسل ہم پر سایہ فگن ہے اور صحرا و بیابان کے اس سارے رستہ کو اس کی رحمتوں نے نخلستان اور مرغزاروں میں بدل کر رکھ دیا ہے ؎

تیرے خیال کی خوشبو کچھ اس طرح پھیلے
یہ خار خارِ قفس پھول پھول ہو جائے

رات کی تاریکی میں سات کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مسجد احمدیہ ساہیوال کی پیشانی سے کلمہ طیبہ مٹانے کی جسارت کرنے والے دو بدقسمت "مجاہدین ختم نبوت" حفاظت خود اختیاری کا نشانہ بن چکے تو کل گیارہ افراد جماعت احمدیہ پر قتل اور مجمع خلاف قانون کا مقدمہ بنا دیا گیا۔ جن میں سے سات افراد جماعت پہلی شب تک بغیر بتلائے گرفتار کر لئے گئے۔ دو دوست بعد میں پیش ہوئے اور دو ابھی تک پیش ہی نہیں ہوئے۔

پہلے مرحلہ پر گرفتار شدگان میں سے سب سے عمر رسیدہ مسافر حضرت ملک محمد دین صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس تھے۔ نہایت درد اور افسوس کے ساتھ یہ خبر سنی جا چکی ہے کہ موصوف ۲۴ رنومبر ۱۹۹۱ء کو اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ حالتِ اسیری میں ملک صاحب کی وفات ایک قابلِ رشک شہادت ہے۔ اور اس حوالہ سے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ یہاں تو صرف اپنے ساتھیوں کا تعارف کرانا مقصود ہے۔

ملک صاحب مرحوم بوقت وفات اسّی سے اوپر تھے۔ آپ نے یہ دورِ اسیری نہایت درجہ استقامت اور بشاشت سے گزارا۔ آپ کو عمر کے آخری حصّہ میں ہونے کے باعث اپنے سارے ساتھیوں سے کہیں زیادہ صعوبت اور مشقت اٹھانا پڑی۔ آپ کو دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی مگر جب بھی ہمدردی کا اظہار کیا، ایک مسکراہٹ کے ساتھ یہی جواب ملا "نہیں، کوئی بات نہیں !"

آپ نے ضعیف العمری کے اس دور میں پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں

میں ہتھکڑیوں کو اٹھایا، چومااور برداشت کیا۔ ملک صاحب کا دورِ اسیری میں اس سے پہلے بھی دو مرتبہ ہرنیا کا آپریشن ہوا۔ شدید علالت کے باعث آپ کو متعدد مرتبہ سول ہسپتال میں بھی داخل رہنا پڑا۔ اور سب سے بڑھ کر اپنی اہلیہ محترمہ کی وفات کا صدمہ بھی برداشت کیا اور بڑے صبر سے برداشت کیا۔ اللہ آپ کو کروٹ کروٹ سکون و قرار اور راحت و آرام اور اپنی رضا کی جنّت نصیب فرمائے اور آپ کے درجات بلند کرتا رہے اور آپ کی عظیم قربانی کو آپ کی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ اور نشانِ منزل بنائے۔ آمین۔

ہمارے دوسرے ساتھی مکرم رانا نعیم الدین صاحب ہیں۔ موصوف بوقت گرفتاری ساٹھ کے پیٹے میں تھے اور اب ستر کی دہائی میں جانے والے ہیں۔ نہایت دلیر، باہمت جوانوں کے جوان، قربانی کا بے پناہ جذبہ رکھنے والے ہمارے اس بزرگ ساتھی نے واقعات کے عین مطابق واقعہ کی ساری ذمہ داری اپنے سر لی اور جرأت کے ساتھ پہلے لمحہ سے آخری لمحہ تک۔ تھانہ سے فوجی عدالت کے کٹہرے تک۔ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ پولیس مختلف ہتھکنڈوں سے اپنی مرضی کی باتیں اگلوانے کی کوشش کرتی رہی۔ سزائے موت کی کوٹھڑی کا تین سالہ عرصہ بڑی دلیری اور حوصلہ مندی کے ساتھ گزارا۔ اس دوران ایک موقعہ ایسا بھی آیا جب ظاہری لحاظ سے ہمیں موت کی کِلیوں سے صرف سات دن کے فاصلہ پر لے جا کر بند کر دیا گیا تھا۔

اس قافلہ اسیران کے ایک رکن چوہدری محمد اسحاق صاحب بھی تھے۔ یہ بھی اپنے کئی ساتھیوں کی طرح واقعہ سے بے خبر مسجد احمدیہ سے میلوں دور اپنے گھر پر تھے۔ انہیں عدالت نے بری کر دیا تھا۔ موصوف اپنے گاؤں کے نمبردار ہیں اور اس وقت اپنے بچوں کے پاس کینیڈا میں مقیم ہیں۔

عمر کے اعتبار سے ہمارے چوتھے نوجوان ساتھی محمد حاذق رفیق صاحب ہیں۔ تیس سے کچھ اوپر ان کا سن تھا۔ جب انہیں اپنی ہی مسجد میں ہونے کے باعث مجمع خلافِ قانون اور قتل کے الزامات میں گرفتار کیا گیا۔ اب انصار اللہ میں جانے والے ہیں۔ حاذق صاحب اپنے دو بھائیوں کے ساتھ درزی کا کاروبار کرتے تھے اُن کی قربانی کا غیر معمولی پہلو یہ ہے کہ اپنے ہنر میں خاص مہارت رکھتے ہیں اور اپنی دکان اور کاروبار کے لئے سب سے زیادہ اہم تھے۔ اس طرح سے جیل میں آ جانے کے باعث ان کے گھرانے نے غیر معمولی مالی قربانی بھی دی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

برادرم عبدالقدیر صاحب ساہیوال کے ایک قدیمی مخلص دوست عبدالرحیم مجاہد صاحب کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ والدین کے لاڈلے ہونے کے باوجود جیل میں ہر قسم کی صعوبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ میٹرک کے بعد کسی کاروبار کے خیال میں تھے کہ تقدیر انہیں جیل لے آئی۔ ان کی عمر اب تیس سے اوپر ہے۔ ان کے والد صاحب محکمہ صحت میں ڈسپنسر تھے اور اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ ان کی دو ہمشیرگان اپنے ویر کے دولہا بننے کا انتظار کر رہی ہیں۔ اللہ انہیں صبر و حوصلہ دے اور دین کے لئے جو قربانی پیش کر رہے ہیں اسے قبول فرمائے آمین۔

ہمارا سب سے کم عمر ساتھی عزیزم محمد نثار شاہد ہے۔ بائیس سال کا تھا جب وہ اس ظلم کا نشانہ بنا۔ میٹرک کے بعد زندگی کی مختلف گزرگاہوں سے ہوتا ہوا پی ٹی سی کا کورس مکمل کئے بیٹھا تھا اور اس کے امتحان کا آخری پرچہ اگلی صبح ہونے والا تھا مگر اس سے پہلے ہی اس کی آزادی کی شام ہو گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ۲۶ر اکتوبر کو سارا دن تھانہ میں بیٹھے رہنے کے بعد ۱۰ بجے شب تھانہ کے ایک اہلکار سے کہا کہ اسے تو جانے دو اس کا صبح آخری پرچہ ہے تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ سے کہنے لگا کہ اب تو یہیں پرچے ہوں گے۔ اور یہی وہ وقت تھا جب ملّاں لوگ سارے دن کی کاوشوں کا نچوڑ ہمارے خلاف FIR درج کرانے آئے ہوئے تھے۔ (یاد رہے کہ رات دس گیارہ بجے درج کرائی جانے والی FIR کو علی الصبح ۶ بجے کے وقت میں درج کیا گیا تھا) خاکسار کا تعارف تو پہلے بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہاں یہ اضافہ کرتا چلوں کہ خاکسار باہر بھی مربی سلسلہ تھا اور یہاں جیل میں بھی۔ الحمدللہ۔

ہمارے علاوہ چار دوسرے احمدی افراد بھی اس واقعہ میں ملوث کئے گئے تھے، مگر وہ گرفتار نہ کئے جا سکے تھے۔ تاہم ان میں سے دو محترم چوہدری حفیظ الدین صاحب اور چوہدری شاہد نصیر باجوہ صاحب کچھ عرصہ بعد خود ہی عدالت میں پیش ہو گئے اور دو دوست محترم پروفیسر محمد طفیل صاحب اور لطف الرحمٰن صاحب بینک مینیجر ابھی تک پیش نہیں ہوئے۔ اوّل الذکر دونوں دوست دسمبر ۱۹۸۵ء کو فوجی عدالت نمبر ۶۲ کی طرف سے بری کر دیئے گئے تھے۔ دونوں مذکورہ دوست وکیل ہیں اور بار ایسوسی ایشن ساہیوال کے ممتاز اور باوقار ارکان ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی گرفتاری اور اس مقدمہ میں جھوٹے طور پر ملوّث کئے جانے کے خلاف وکلاء برادری نے بڑی تیز و تند قرار دیں پاس کیں اور حکومت پر دباؤ ڈالا۔ چنانچہ قریباً چھ ماہ پسِ دیوارِ زنداں رہنے کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ الحمدللہ۔

آخر پر اپنے مقدمہ سے متعلق دو دلچسپ امور بیان کرتا چلوں۔ ایک تو یہ کہ ہم پر مارشل لا کے تحت فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ مگر مارشل لا کے دوران ہمارا فیصلہ نہ سنایا گیا۔ اور مارشل لا اٹھائے جانے کے چھ ہفتے بعد ۱۵ر فروری ۱۹۸۶ء کو ہمیں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل ساہیوال کے دفتر میں باری باری بلا کر اپنی اپنی سزا سنائی گئی۔ اور سزا سنانے والے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھے اس پر پشاور کے ایک انگریزی روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ نے یہ دلچسپ بات شائع کی کہ ایک ایسی عدالت کا فیصلہ نافذ کیا گیا ہے جس کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں !! اور ایسا ملک بھر میں دو جگہوں پر ہوا۔ اور دونوں جگہ احمدیوں کے ساتھ ہوا۔ یعنی ساہیوال اور سکھر۔ دوسرے یہ کہ ابتدائی طور پر فوجی عدالت نے ۱۶ر جون ۱۹۸۵ء کو ہمارے مقدمہ کا فیصلہ کیا کہ دو افراد کو سزائے موت اور چار کو سات سات سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے۔ یہ فیصلہ جب MLA زون 'A' کے پاس توثیق کے لئے گیا تو انہوں نے اس فیصلہ کو بڑے زوردار طور پر رد کر دیا اور مقدمہ پر از سرِ نو غور کرنے کو کہا اور ہدایت کی کہ صرف ایک ملزم کے خلاف صرف ۳۰۲ ت پ کے تحت غور کیا جائے۔ مگر عدالت کا جواب قابلِ ملاحظہ ہے۔ اس نے دونوں سزائے موت یافتہ ملزموں کی سزا میں ۱۰،۱۰ ہزار روپیہ جرمانہ کا اضافہ کر دیا اور دیگر چاروں کی سزا سات سال سے بڑھا کر ۲۵،۲۵ سال کر دی۔ یعنی فیصلہ پر ہدایات بالا کے تحت نظرِ ثانی کرنے کا مزہ تو آیا !!

اور آخر میں سب قارئین کی خدمت میں درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں اور گناہوں سے صرفِ نظر فرمائے اور محض اپنے فضل سے اس ابتلاء سے سرخرو کرے اور آخری لمحہ تک کامل وفا اور صدق و صفا کے ساتھ دینِ اسلام کی خدمت کی توفیق ملتی رہے۔ آمین۔

خیرات کر اب ان کی رہائی میرے آقا
کشکول میں بھر دے جو مرے دل میں بھرا ہے

بقیہ: صفحہ ۱۸ سے آگے

سے آنے والی خواتین نے چہرہ کا دیدار کیا۔ دس بج کر ۳۷ منٹ پر جنازہ کو میت اٹھانے والی گاڑی (HEARSE) میں دوبارہ رکھ کر سوگوار خدام و لجنہ کے قافلہ کے ساتھ اسلام آباد سرے (SURREY) پہنچایا گیا۔ پولیس کا ہراول دستہ بھی ساتھ تھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے لندن سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے قافلہ میں ۹ کاریں تھیں۔ احباب جماعت کی سہولت کے لئے لندن سے اسلام آباد کے لئے کوچز کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ مگر اکثر احباب ملک کے کونے کونے سے اپنی اپنی کاروں میں اسلام آباد سرے (SURREY) پہنچے۔

اسلام آباد میں عید الفطر اور نماز جنازہ کے لئے تین مارکیاں خاص طور پر نصب کی گئی تھیں۔ ایک مردوں کے لئے دوسری عورتوں کے لئے۔ درمیان میں ایک چھوٹی سی مارکی تھی جہاں حضرت بیگم صاحبہ کا جسد اطہر رکھا گیا۔ جنازہ میں شرکت کے لئے حضرت بیگم صاحبہ کی دونوں بہنیں محترمہ فوزیہ انیسہ صاحبہ اہلیہ مکرم میجر بشیر احمد صاحب آف لاہور اور محترمہ صبیحہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم مرزا انور احمد صاحب آف ربوہ اور آپ کے دونوں بھائی مکرم مرزا نسیم احمد صاحب اور مکرم مرزا سلیم احمد صاحب بھی پہنچ چکے تھے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ڈیڑھ بجے نماز ظہر و عصر پڑھائی اور اس کے بعد جنازہ کو خدام نے کندھا دے کر مردانہ مارکی میں لے جا کر رکھا اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت تک دنیا بھر سے تقریباً پانچ ہزار احمدی احباب مرد و زن جنازہ کے لئے پہنچ چکے تھے۔ بعض غیر احمدی شرفاء جن میں مسٹر ٹام کاکس (ممبر برٹش پارلیمنٹ) مسٹر پیٹرک لانڈ فارنہم کے لائیژان آفیسر (LAISON OFFICER) اور حضور کے دوست سردار ہمت سنگھ صاحب آف جرمنی کے بھائی کرایندا صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔

یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ پاکستان، امریکہ، کینیڈا اور انڈیا سے بھی بعض افراد نماز جنازہ کے لئے پہنچے اسی طرح ماریشس، گھانا کے نمائندگان نے بھی جنازہ میں شرکت کی۔

حضرت بیگم صاحبہ کی نماز جنازہ یورپ کے بیشتر ممالک میں ٹیلی کاسٹ کی گئی اور ان ممالک کے احمدیوں نیز انگلستان کی ان جماعتوں نے جو جنازہ میں اسلام آباد شرکت نہیں کر سکی تھیں اپنی اپنی جگہوں پر اپنے مقامی امام کی اقتداء میں بیک وقت نماز جنازہ اس طرح ادا کی کہ ہر مقامی امام حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی آواز پر تکبیر بلند کرتا رہا۔ یہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں پہلا جنازہ ہے جو ٹیلی کاسٹ ہؤا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے نہ صرف ان کی زندگی کو خدمت دین کا نمونہ بنایا بلکہ ان کی وفات کو بھی جماعتی محبت یک جہتی، باہمی یگانگت اور امام وقت کی اطاعت کا بے نظیر نمونہ بنا دیا۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے یہ عظیم سعادت ان سے خوشنودگی کا بہت ہی پیارا اظہار ہے۔

دو بج کر ۳۵ منٹ پر جنازہ کا قافلہ اسلام آباد سے تدفین کے لئے بروک وُڈ (BROOK WOOD) کے قبرستان کی طرف روانہ ہؤا۔ جسے مقامی پولیس کے دو موٹر سائیکل سواروں نے ESCORT کیا۔ جنازہ کی گاڑی تین بج کر ۱۲ منٹ پر بروک وُڈ قبرستان میں واقع "احمدیہ قبرستان" میں پہنچی جہاں پہلے ہی ہزاروں سوگوار احمدی غمگین دلوں سے انتظار میں کھڑے تھے۔

یہ حصہ قبرستان ۱۹۷۸ء میں جماعت نے حاصل کیا تھا۔ تین بج کر ۲۷ منٹ پر میت لحد میں اتاری گئی۔ اس طرح حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مغموم دل، غمزدہ آنکھوں اور پُر سوز دعاؤں کے ساتھ اپنے دست مبارک سے اپنی محبوب رفیقہ حیات کو سپرد خاک کیا۔ تدفین کے بعد ۳ بج کر ۴۰ منٹ پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرائی۔ جو ۳ بج کر ۵۰ منٹ پر ختم ہوئی۔ اس موقع پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دیگر ممالک سے آنے والے امراء جماعت احمدیہ اور دیگر نمائندگان نیز جماعت احمدیہ انگلستان کے سرکردہ احباب، معزز مہمانان، کارکنان مرکزی دفاتر اور خاندان حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے افراد جو اظہار تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے سے معانقہ فرمایا اور ان سب کا شکریہ ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نوراللہ مرقدھا کو جنت میں مقام خاص عطا فرمائے۔ ہر لحظہ درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ ان کی تربت پر ہمیشہ اس کے فضلوں اور رحمتوں کی بارش برستی رہے اور ہمارے پیارے آقا اور ان کے تمام بچوں، حضرت بیگم صاحبہ کی دونوں بہنوں اور دونوں بھائیوں نیز دیگر خاندان حضرت بانی سلسلہ کے تمام افراد کو اس صدمۂ عظیم کے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

ہدایت احمد چوہدری۔ پریس سیکرٹری جماعت احمدیہ برطانیہ

---

# احباب جماعت توجہ فرمائیں

تفسیر صغیر کے نئے ایڈیشن میں صفحہ ۲۹۲ سورہ یوسف آیت نمبر ۲۷ میں رِبنَا وِثِلہٖ کے بعد لفظ "اِنّا" اصل آرٹ ورک میں غلطی کی وجہ سے طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔

براہ کرم احباب جماعت اس غلطی کی تصحیح فرما لیں۔

---

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ الرابع فرماتے ہیں:-

"میں احمدیوں سے کہتا ہوں کہ اُٹھو نمازیں پڑھو یہی تمہارے ہتھیار ہیں تم ان روحانی ہتھیاروں کو استعمال کرو پہلے سے بڑھ کر خدائی عبادتوں میں شغف دکھاؤ۔ پہلے سے زیادہ بڑھ کر ان عبادتوں میں اپنے دلوں کو نرم کرو۔ اپنی روحوں کو گداز کرو اور خدا کے حضور گریہ کا شور مچا دو۔ خدا کے حضور اپنی عاجزی اور درد کی حالت اور بے کسی کو پیش کرو اور پھر دیکھو کہ خدا کی قسم حضرت بانی سلسلہ کا یہ الہام ہمارے حق میں پورا کر کے دکھایا جائے گا:-

"اُٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں"

# نذرانۂ عقیدت

مرحبا طاہرِ جمالِ حق
مرحبا طاہرِ کمالِ حق

دِل کو راحت ترے فسانے سے
اِک مسرّت ہر اِک ترانے سے

صُبحدم شوق سے سَلام و درُود
وہ سُخن اور وہ کلام و درُود

سعئِ پیہم کا اِک جہاں ہے تُو
دینِ وحدت کا پاسباں ہے تُو

آبروئے شبِ تہجّد تُو
نغمۂ صُبحدم ھُواللہ ھُو

نامۂ شوق دلربا ہو ترا
حرفِ توقیر آسرا ہو ترا

وجہِ تسکیں طریقِ فکر و نظر
دارِ ثروت میں یہ پیامِ سحر

تیرا مقسوم اِک قرارِ ہمیش
تجھے حاصل رہے بہارِ ہمیش

(امین اللہ خان سالک)